طنزیہ - مزاحیہ

غزلیں اور نظمیں

مرتبہ: نور نبی عباسی ـــ حفیظ عباسی

زندگی کو حسن، سلیقہ اور نفاست بخشنے والے

ملکی و غیر ملکی فنکاروں کے شاہکار

برائے نام قیمت پر آپ کی خدمت میں

پیش کرتے ہیں

جنتا پاکٹ بک سیریز۔ دہلی

جنتا پاکٹ بک سیریز کی پیشکش

کالی گوری (ناول) جمنا داس اختر

دیکھی تیری دنیا 〃 جمنا داس اختر

غزلیں اور نظمیں (شعر و شاعری) نور نبی عباسی

طنزیہ اور مزاحیہ غزلیں اور نظمیں نور نبی عباسی
و حفیظ عباسی

قیمت فی جلد ایک روپیہ

طنزیہ — مزاحیہ

غزلیں اور نظمیں

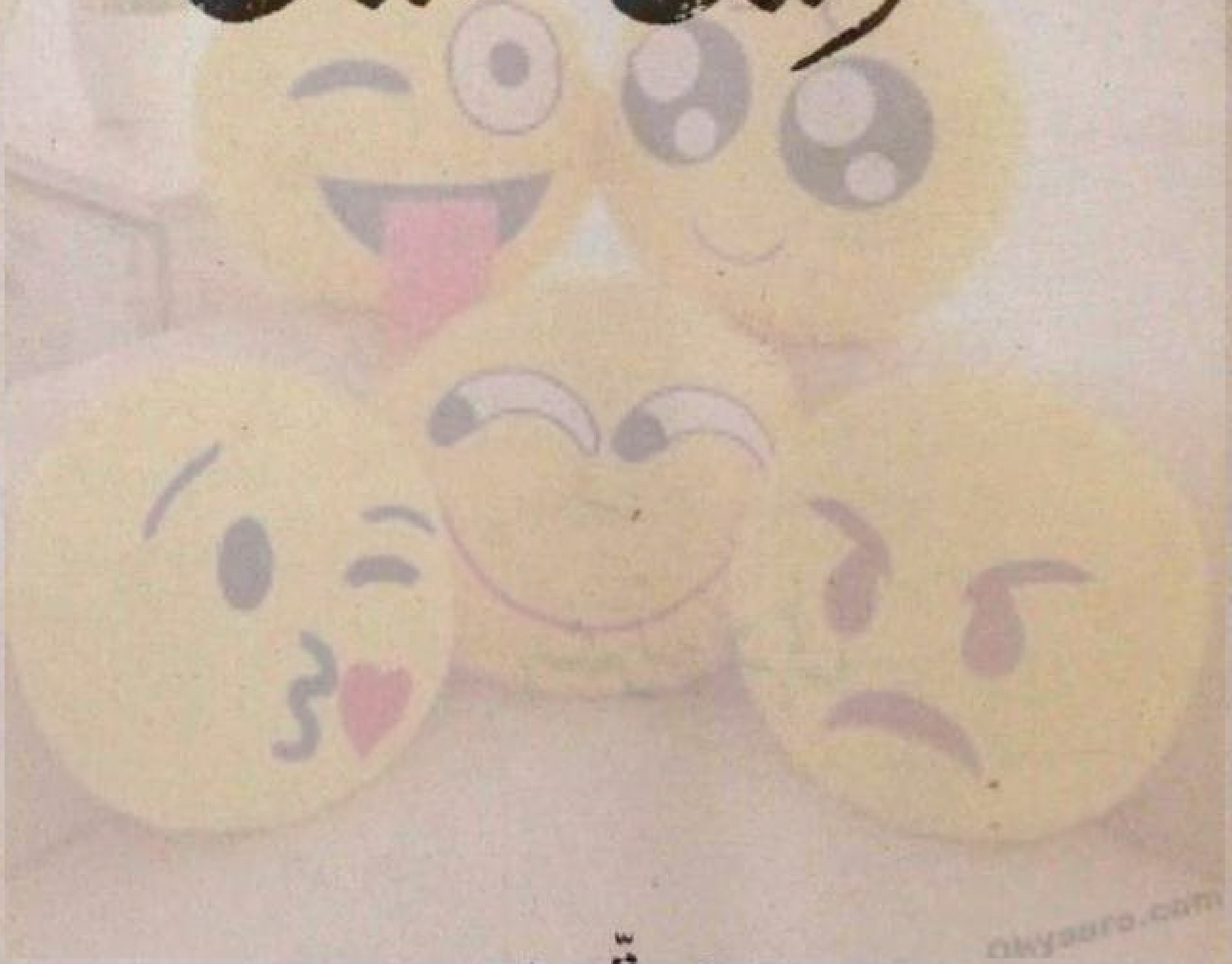

مرتبہ

نور نبی عباسی —— حفیظ عباسی

(جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں)

قیمت صرف ایک روپیہ

ناشر

جنتا پبلشرز۔ دہلی

(امیر حسن رضوی تحریر نمود)

۱۲۴۸۹
داخلہ نمبر

فہرس

جعفر زٹلی ...	۷
میر تقی میر ...	۸
سودا ...	۹
انشاء ...	۱۷
مصحفی امروہوی ...	۲۰
رنگین ...	۲۵
جان صاحب ...	۲۷
غالب ...	۲۹
اکبر الہ آبادی ...	۳۴
حالی ...	۴۴
اقبال ...	۴۷
پرویز شاہدی ...	۵۳
شمیم کرہانی ...	۵۸
ظریف لکھنوی ...	۶۴
احمق پھپھوندوی ...	۶۹

فرق کشمیری	...	۷۲
حاجی لق لق	...	۷۴
شاد عارفی	...	۷۷
سید محمد جعفری	...	۸۱
ساحر لدھیانوی	...	۸۸
فرقت کاکوری	...	۹۳
دلاور فگار	...	۱۰۳
شہباز امروہوی	...	۱۰۵
راجہ مہدی علی خاں	...	۱۱۱
رئیس امروہوی	...	۱۱۵
مجید لاہوری	...	۱۲۵

جعفر زٹلی

کھول گھونگھٹ کیا دیکھوں بیچ — دھنیت بیٹھا گھونگھٹ بیچ
لاکھ روپیہ مہر بندھایا — ایسا مہنگا دھنیت پایا
گھونسی گھانسی لنڈی منڈی — منہ ایسا جوں سانپ کی کنڈی
بالوں کا کیا کروں احوال — جیسے چھچھر کی ہوسے یال
دانتوں کا کیا کروں بچار — ٹوٹے پھوٹے اور اُجاڑ
ہونٹوں کا کیا کروں بیان — جیسی کہ نانبائی کی نان

بات کہے پر نہ آئے بول
جیسے باجے پھوٹا ڈھول

جھگڑا رگڑا ایسا پسارا — لاگے جوتے مارگ مارا
دے دھما دھم ایدھر اودھر — اب میں مولا جاؤں کیدھر
انجر پنجر ٹوٹن لاگے — مرد جسے زندے سوتے جاگے
بجلی ہے یا آگ بگولا — جیسے نام خدا کا بھولا
نت اُٹھ گھر کے باسن پھوٹے — آگ لگا ن پانی کو دوڑے
کام کرے تو ایسا کرے — چولہے کی ہانڈی کھڈی دھرے
جیسا مجھ کو ناچ نچایا — جیسا کیا میں ویسا پایا
جعفر پیارے اب کیا کیجے — تن من دھن تقدیر کو دیجے

کرم میں لکھا تھا سو پایا
ناحق میں یہ نند مچایا

میرؔ

کیا لکھوں میرؔ اپنے گھر کا حال — اِس خرابے میں مَیں ہُوا پامال
گھر کہ تاریک و تیرۂ زنداں ہے — سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی — آہ! کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھے مینہہ سقفِ چھلنی تمام — چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق — سو شکستہ تر از دلِ عاشق
کہیں سُوراخ ہے، کہیں ہے چاک — کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھر ہے کسی چھچھُوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھّر کا
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں، طاق پھُوٹے ہیں — پتھر اپنی جگہ سے چھُوٹے ہیں
دَب کے مرنا ہمیشہ مدّ نظر — گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر

اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے — بد سے ہے اِک خرابی گھر در سے
ایک چھپّر ہے شہرۂ دلّی کا — جیسے روضہ ہو شیخ چلّی کا
شب بچھونا جو مَیں بچھاتا ہُوں — سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہُوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے — سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
گرچہ بہتوں کو مَیں مَسَل مارا — پر مجھے کھٹملوں نے مِل مارا
جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چُولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا، نہ کھاٹ سونے کو — بیائے پٹی لگائے کونے کو
ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے — جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے
دو طرف سے تھا کتوں کا رستہ — کاش! جنگل میں جا کے میں بستا
چار جاتے ہیں، چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کوٹھا جو جھول ہوا تھا بیٹھ گیا — پانی جز جز میں اس کی بیٹھ گیا

نہ اثر بام کا، نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

○

سودا

تضحیکِ روزگار

(قصیدہ در ہجو اسپ)

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا یک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانہ کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گھٹاتے ہیں وہ ادھار

ہینگے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہربان
پارسے مرزا جو اُون کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کی دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
ناطاقتی سکا اُس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں سکا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانندِ نقشِ نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے، وہ اگر بیٹھے ایک بار
اِس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اسکا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد؟
اُمیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار
تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھانس کا
جوکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پادے ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اُس کے تھان کی ہو دیں نہ استوار
تراسخواں نہ گوشت نہ کچھ اُس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لوہار

یہ حال اُس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
جنگل سے موذی کے تو چھوڑا اسکو کردگار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو کلسی اس اعتبار

لے جاویں چور، یا مرے، یا ہو کہیں یہ گُم
اِس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کے وہ اسپ نابکار

خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کا اپنا دو مستعار

فرمایا جب اُنھوں نے کہ اے مہربانِ من
اَیسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے قابل نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اِس کو نہ جانوگے انکسار

بدرنگ جیسے لید و بدبُو ہے جوں پیشاب
بدیمن یہ کہ اصطبل اُوجڑ کرے ہزار

حشری ہے اِس قدر کہ بجشرا اس کی پشت پر
دجّال اپنے مُنہ کو سیہ کرکے ہو سوار

اِتنا وہ سر نگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت
جبڑے پہ بسکہ ٹھوکروں کی نِت پڑے ہے مار
ہے پیر اس قدر، کہ جو بتلائے اس کا سِن
پہلے وہ لے کے ریگِ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے زرُوئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اِسی پہ نِکلا تھا جنّت سے ہو سوار
اِک دِن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دُولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خطِ سیاہ و سپید سے ہوا سُفید
تھا سرو سا جو قد، ہوا شاخِ بار دار
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے دیجے سے گرا اس طرف گزار
میٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سُنا
لیکن اب ایک دِن کی حقیقت کہوں ہیں یار
دہلی تک آن پہونچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار
مدّت سے کوڑیوں کو اُڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اَب کرو میداں میں کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
ٹک تنگ سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے توبڑا اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رُو براہ
ہلتا نہ تھا زمین سے مانندِ کوہسار
میں کیا کہوں غرضکہ ہر اک اُس کی شکل دیکھ
تیغِ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گُل نثار
کہتا تھا کوئی ہے بزِ کوہی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ہیگا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کوتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
کہنے لگا پھر آکے اس اجماع میں کوئی شخص
مرکب نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سُن کیا دونوں نے واں گذار
ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دُم کمہار
دریائے کشمکش ہوا اُس آن موج زن
تھا عنقریب ڈوبئے خفت سے ایک بار
بدقسمتی اس کی دیکھ کے کمہ خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بے شمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تُو مجھ کو بھی چڑھا
دُوں گا ٹکا تجھے نہیں ہے تو چند ایتوار
کُتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُسکے گرد و پیش
ساتھ اس سمندِ خرس نُما کے ہو چشم چار
اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر
کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار
جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب
کُتوں سے یا لڑوں، کہ مروں اپنا پیٹ مار
دستِ دُعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پُکار
پہلے ہی گو وا چھوٹتے اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تیر کہ ہو وے جگر کے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے، ہوا مستعد بہ جنگ
اِتنے میں مرتبہ بھی ہوا مجھ سے آ دو چار
گھوڑا تھا بسکہ لاغر وپست وضعیف وخشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُسکو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جو طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں، گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار
گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سُنی
اس پہ بھی دل میں آئے تو ہو جائیے سوار
سُن کر تب اُن سے میں نے یہ قصہ، دیا جواب
اِتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار
گفتن ہمیں بس ست کہ اسپ من ابلق ست
سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں میں ہوشیار
سودا نے تب قصیدہ کہا سُن یہ ماجرا
ہے نام اِس قصیدہ کا تضحیکِ روزگار

○

سودا

ہجو اہلیہ میر ضاحک

ضاحک کی اہلیہ نے جب ڈھولی گھر دھرایا
بے وجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چوندے کو جب بلایا
تب شیخ سدّو اس پر امساک کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا؟

ضاحک یہ سن کے بولا تم نے زباں نکالی
بے آج کو کہا ہے کل دو گے مجھ کو گالی
بکرے کی شکل یاں تو نہ گوری ہے نہ کالی
بی بی کو اور تم کو گھر کر دیا ہے خالی
بکرا وہ دے گی تم کو جس نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کب کہا جی
میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر پچھا جی
گالی تو اک طرف ہے، یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے دھوں دھپّہ میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہیں کوڑے
گڑھے کے تو گلگلے ہیں اور تیل کے پکوڑے

میٹھا کرو جو منہ کو دھیلے کے ہیں گنڈوڑے
تب شیخ سدّو بولا سنتا ہے وہی کے .....
بھینسا ہی لے کے چھوڑوں خاطر میں کیا تولایا

دمڑی میں منہ کو میٹھا تجھ کو ہمارے کرنا
دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
کیا گاٹے پر نہ دیکھا بھُس کا ہمارے بھرنا
بکرا نہ ٹوں نہ بھینسا لوں تجھ سے گر تو ارنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا

○

انشاء

بس بلائیں مری نہ لے چٹ چٹ
اے دگانہ تو ایک ہے نٹ کھٹ
دم دلاسا نہ دے عبث اِتّا
چل چخنی دور ہو پرے بھی ہٹ

○

بلائیں میں نے جو لیں اُن کی کل چٹاخ چٹاخ
تو کس مزے سے کہا بیگما نے چل گستاخ
شب برات جو آئے تو دیکھیو انشاء
کہ بج رہی ہے پٹاخوں کی کیا چٹاخ چٹاخ

○

تم نے جو میرا اوڑھا دوپٹا، ہے یہ دگا نہ بات کڈھب
لگتا ہے اس میں دونوں کو بٹا، ہے یہ دگانا بات کڈھب
خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہیے کوئی بوڑھا سا
انشا، تو ہے یہ مٹا کٹا، ہے یہ دگانا بات کڈھب

جا کے کیلوں میں چھپو سب سے اکیلے ہو کر
تا ڈے کوئی تو بن جائیو کیلے ہو کر
یوں سے دوں جا کے دَدا مُرگے ادھر سے چُپکے
انھیں حمام میں لے جاؤ طویلے ہو کر

سینے پہ مرے اپنے کھلے سر کے بال ڈال
بے ریشہ ہیں یہ آم ادے ان کی پال ڈال
کیا چیز ہے جو دھیان میں اپنے نہیں اسے
ہوں پات پات میں بھی اگر تو ہے ڈال ڈال
بس دم چڑھائیں دائی کے سر پھول پان لونگ
اس وقت میرے ہاتھ پہ اپنا اُگال ڈال
تکیوں کو دھر کے اپنے بدل اٹھ پلنگ سے
اپنا لحاف اُن پہ اُڑھا، اُن پہ شال ڈال
یا رب لگائی آگ، ہو جس نے یہ بیر کی
پانی کے دیگ میں اسے لے کر ابال ڈال

ہولی میں جوگن ایسی بنی وہ کہ جس کو دیکھ
آزاد لوگ بھول گئے اپنی چال ڈھال
میں پھنک گئی ہوں چاہ میں اِک مردوئے کے اُت
اس میلے سیر کو میرے دگانا کھنگال ڈال
ہرگز غبار دل میں تو انشؔا سے کچھ نہ رکھ
سینہ کی آرسی کو زنانخی اُچھال ڈال

○

ہے جو دروازہ اِک، دگانا کا
اُس میں بن چوُل کا کواڑ ہے ایک
اُس کی زنجیر بھی نہیں لگتی
آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

○

میں ترے صدقے گئی اے مِری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو، واری مت چیخ
کیوں مِرا مغز پھراتی ہے اری مینا چپ
اُڑ گئی دور بھی ہو، جیسے گنواری مت چیخ

○

مصحفی امروہوی

کھٹمل نامہ

کھٹملوں کی ز بسکہ ہے افراط
تلخ ہے اُن سے اپنا خوابِ نشاط

کافروں نے یہ سر اُٹھایا ہے
سارے پنڈے کو توڑ کھایا ہے

کیا کہوں اُن گزندوں کی زِشتی
کہ مجھے کر دیا ہے خارشتی

ہے پھُکی آگ سی بدن میں تمام
پڑ گئے ہیں دَدوڑے تن میں تمام

بسکہ بے چین ہوں مَیں اِن کے ہاتھ
نیند آتی نہیں ہے ساری رات

دمبدم کروٹیں بدلتا ہوں!
اِدھر اُدھر پڑا اُچھلتا ہوں

پائینچے میں کبھی گھُس آتے ہیں
کبھی نیفے میں سرسراتے ہیں

اِک خلش ساری رات ازار میں ہے
آنکھیں بند اور ہاتھ ازار میں ہے

گاہ رُو، گہہ جبیں کھجاتا ہوں
گاہ سر، گہہ سُریں کھجاتا ہوں

مارتا جاتا ہُوں انھیں جوں جوں
کان پر ان کے رینگتی نہیں جُوں
اُن کے مِلنے سے وقتِ بد خوابی
چٹکیاں ہو گئی ہیں عنّابی
اُن کی گردن پہ خون میرا ہے
خون سر انگلیوں پہ اُن کا ہے
اس سے رنگیں کوئی نہ تھا مضمُون
باندھا ہیں انگلیوں پہ اُن کا خون
لہو پی پی کے بس ہُوئے موٹے
ریزۂ لعل ہیں بڑے چھوٹے
اُن کے نیشوں سے ہے مری فریاد
میں ہوں اور کیتے نشترِ فصاد
ہر سرِ مُو پہ میرے ایذا ہے
یعنی اُن مُوذیوں کا بلوا ہے
گرچہ اِک قطرہ مجھ میں خُون نہیں
لیکن یہ خالی از جنُون نہیں
تلے کروٹ کے آ جو جاتے ہیں
وہیں جھنجھلا کے کاٹ کھاتے ہیں
کچھ مرا اُن سے بس نہیں چلتا
میں تو رہتا ہُوں ہاتھ ہی ملتا

کاٹتا ہے جو کوئی آ کے کہیں
بیٹھے بیٹھے اُچھل پڑوں ہوں وہیں

بسکہ ہے اِن دنوں اُنھیں کا وفور
لیٹنے کا تو کیجے کیا مذکور

اُن کے ہاتھوں سے ہے مجھے لے یار
بیٹھنا چارپائی پر دُشوار

الغرض شام سے ہو شب بیدار
کھیلتا ہوں میں کھٹملوں کا شکار

مارے جو موٹے موٹے چُن چُن کر
چھینٹ کا بن گئی چادر

گِھسے دیوار پر جو کر کے تلاش
کر دیا گھر کو خانۂ نقاش

نہیں مرتے ہیں تو بھی بدذات
کیا اِنھوں نے پیا ہے آبِ حیات

کوئی کیونکر کرے اِنھوں کا شمار
پیدا ہوتے ہیں ایک سے یہ ہزار

فائدہ اِن سے کچھ نہیں زنہار
غیر اس کے کہ ہوں میں شب بیدار

یہ سمجھ کر کہ لوگ جاگتے ہیں
چور بھی اُن کے ڈر سے بھاگتے ہیں

دوڑتے ہیں زبسکہ ہیں چالاک
میری آنکھوں میں ڈال جاتے ہیں خاک
کوئی آسان ہاتھ آتے ہیں
گھاٹیوں میں سے نکلے جاتے ہیں
بوریئے پر جو بیٹھے کوئی دم
وہاں بھی اُن کا لگا رہے ہے غم
میں بھی ازبسکہ اُن کا ہوں اُستاد
قتل کی اُن کے رہے ہے مجھ کو یاد
چارپائی کو جب بچھاتا ہوں
چادر اِک اُس پہ کھینچ جاتا ہوں
بعد ازاں رکھ سرہانے اِک تکیا
سر کو رکھ اُس پہ سو رہوں ہوں ذرا
اِتنے میں سونگھ کر یہ بوئے بدن
جوں ہی یا صد ہزار حیلہ و فن
فرشِ چادر پہ ہو کے پھر بے غم
چلنے لگتے ہیں ایک اِک ار پے ہم
میں بھی جلدی دِیا منگا کے وہیں
گھس بتاتا ہوں خوب اُن کے تئیں
گرچہ پاتے رہے ہیں نت مالش
پر مری اُن سے ہے وہی نالش

وہی راتوں کا جاگنا ہے ہنوز
اور وہی خواب صبحدم ہر روز
اُن کی ایذا سے میں ہی کچھ نہیں دنگ
عرصہ کرم کتاب پہ بھی ہے تنگ
یعنی مجھ پاس ہیں جو کچھ اجزاء
دخل اُن میں بھی کافروں نے کیا
اُن میں جا کے ہوئے تو ہیں یہ بند
لفظ و معنیٰ کے تئیں نہ پہونچے گزند
اور قلمدان میں جو گھُسے جاکر
کیا نہ دیں گے مرے قلم کو ضرر
خاصہ ہنگام ہجو کہنے کے
الاماں مانگتے ہیں سب جس سے
دشمنِ جاں یہ مصحفی کے ہیں
تشنۂ خوں یہ ہر کسی کے ہیں
بیش و کم چلتی ہو زباں جس کی
چاہیئے ہجو ہی کریں اِن کی

پانی بھرے ہے یاں دیہاں قرمزی دوشالا
تُنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا
کاندھے پہ مشک لے کے جب قد کو خم کرے ہے
کافر کا نشۂ حُسن ہو جائے ہے دوبالا
دریائے خوں میں کیونکر ہم نیم قد نہ ڈوبیں
تُنگی کے رنگ سے جب دہاں تا کمر ہو لالا

رنگین

نیند آتی نہیں کم بخت دِوانی آجا
اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا
ہاتھ پر تیرے موئے کس کے ہے چھلکے کا داغ
دی ہے یہ کس نے تجھے اپنی نشانی آجا
بال ماتھے کے جو ڈوبے سے لئے ہیں تو نے
شکل لگتی ہے بڑی آج ڈرانی آجا
غم ہے رنگین کو نہ میرا یونہی اس کے پیچھے
مُفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

رات باتوں میں یہیں تو نے گذاری انّا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے لے لاری انّا
سوچ اس کا نہ ہو گر مجھ کو تو پھر کس کو ہو
جانتی تو نہیں کیا یاؤں ہے بھاری انّا
آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے مجھے اس کی چاہ
روز و شب رہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انّا
ہونے جو ہوئے سو ہو بندی ملے گی نہ چلی
وصل کی اُس سے زباں اب تو میں ہاری انّا
اُٹھتے ہی صبح کو آجاتی تھے رنگین کے پاس
کہیو سب حال مرا میں ترے واری انّا

زخم کھا کر جو میں تڑپا تو لگا یوں کہنے
اچھا اچھا، تو تڑپ کر مری تلوار کو توڑ
ہٹ ہو گر دل ہی پہ اُس کی تو سلیماں دے ڈال
ایک دل کے لئے مت خاطرِ دلدار کو توڑ

○

جب کہا میں نے کہ میرے گھر چلو
تب مری گوئیاں نے اے رنگیں پکار
گال پر اُنگلی کو رکھ کر یوں کہا
میں ترے گھر جاؤں گی اے دُور پار

○

کل جو میں نے کہا زنا خی سے
جی میں آتا ہے تجھ سے کیجے عیش
تو لگی کہنے یوں وہ اے رنگیں
بس بس اب مجھ کو مت دلاؤ طیش

○

تو نے ڈھکا کے جو رنگین مجھے کل
لب کا بوسہ نہ دیا جانی ایک
میں نے اس ہنر کی قسم ہے اپنا
کیا رو رو کے لہو پانی ایک

○

کتب خانہ
داخلہ نمبر 27
ادارۂ ادبیات اردو پنجہ گٹہ حیدرآباد

جان صاحب

نہ عصمت سے یہ کام بی جان ہوگا
کسی نے کیا اُس پہ بہتان ہوگا

کہوں باجی اماں سے بر میرا ڈھونڈو
یہ مجھ سے نہ ہرگز دوا جان ہوگا

نہ کر رات کو کنگھی سر میں تو اپنے
زنانخی بہت دل پریشان ہوگا

تم آئی ہو گھر میں وہ آئے گا کیونکر
موا جان کے ایسا انجان ہوگا

مزا دوسری سے نہ پائے گا جسدم
مجھے چھوڑ کر تو پشیمان ہوگا

نہ ہونا اری جان صاحب پہ عاشق
ترا نام رسوا بھی جان ہوگا

○

جب سے سایہ جن کا اُن پر ہوگیا
بی پری خانم کو سودا ہوگیا

ایک نامحرم سے کھنڈیا گھاٹ پر
آج محرم دل کا سودا ہوگیا

خوب بھڑکایا تھا اس کو سوت نے
میں ہوئی جب گرم، ٹھنڈا ہوگیا

نیک ہوں روشن تو کہتا ہے بُرا
مُنہ اِنہی باتوں سے کالا ہو گیا
مجھ سے موتی کھو گیا جو ہر کا جو
کل تھا جھوٹا، آج سچّا ہو گیا

اَب نظریں اُن کی میں چڑھتی نہیں
دِل سے اُتری جب سے چکلا ہو گیا
مَیں نہ بولی اُس سے دو دِن ایک رات
گُلبدن جب دم وہ ترچھا ہو گیا
بَل بہت کرتا تھا تکلے کی طرح
ایک ہی جھٹکے میں سیدھا ہو گیا
کیا کہوں سُن سُن کے باتیں ہول کی
جانؔ صاحب کو بھی ڈھڑکا ہو گیا

○

مرزا مزاج آپ کا جب سے بدل گیا
کِس کِس کا او ہی جوڑ نہیں مجھ پہ چل گیا
مالن ہے تو بہار ہی موتیا کا پیڑ
دانوں کی ٹھنڈیوں کے بدن سارا پھل گیا
خورشید کیا کہوں اِنھیں آنکھوں کے سامنے
گرگٹ کی طرح رنگ زمانہ بدل گیا
تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑا
بچّہ ہی تھا کھلونے پر آخر مچل گیا

دے دے کے چھینٹے کر گیا مفلس سڑن کو ہائے
سقّا لنگوٹا بھی پری خانم کا جھل گیا

دائی یقین دل کو ہے گر جائے گا حمل
ننھا سا بچہ خواب میں کل پیٹ مل گیا

آنکھیں لڑاتی اُن سے کہاری نے کھائے بانس
اوروں کا میرے چونڈے پہ ڈولا اوچھل گیا

کرتی ہے چوٹی کنگھی بڑھاپے میں بیگما
رسی زناخی جل گئی لیکن نہ بل گیا

اے جان ایسا چھاتی سے لپٹایا بھینچ کر
انگیا کا میری سارا مسالا مسل گیا

غالب

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

شیخ جی کعبہ کا جاتا معلوم
آپ مسجد میں گدھا باندھتے ہیں

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

مَیں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رُعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

گدا سمجھ کے وہ چُپ تھا مِری جو شامت آئے
اُٹھا، اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

بہرا ہُوں میں تو چاہیئے دُونا ہو التفات
سُنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر

جب میکدہ چُھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

دھول دھپّا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایکدن

نکلنا خُلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

اُس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسدؔ
مالِ سُنّی کا مُباح، اور خون صوفی کو حلال

تیرے بیمار پہ ہیں فریادی
وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں

اسدؔ کو بوریئے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے
فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

آئینہ دیکھ اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

بوسہ دیتے ہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
دل میں کہتے ہیں کہ مُفت آئے تو مال اچھا ہے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوئی دُنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خُلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی

سر پائے خم پہ چاہیئے ہنگامِ بیخودی
منہ سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیئے

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بُو آئے

کتنے شیریں ہیں تیرے لب، کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

میں گیا بھی واں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں رُوشناسِ خلق اے خضر
نہ تم، کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

○

اکبر الٰہ آبادی

برقِ کلیسا

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حُسن، وہ شوخی، وہ نزاکت، وہ ابھار
زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم، کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں، کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سُن کر جسے بلبل جھپکے
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رُک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی
پہلوئے حسنِ بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق
ترکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
پس گیا، لوٹ گیا، دل میں سکت ہی نہ رہی
سُر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی
ضبط کے عزم کا اُس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظؒ کا کیا وِرد مگر کچھ نہ ہُوا
عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار
تُو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دُنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے
شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی
غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بُوئے خُوں آتی ہے اس قوم کے انسانوں سے
لن ترانی کے یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر
کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں، توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اِترا جائیں
پائیں سامانِ اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ہنوز اُن کی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح
اب زمانے پہ نہیں اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اِس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اِس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر، نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہرِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اُڑ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک

موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو اے جان نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم
تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہہ، یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصّۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ
مجھے تو اُن کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جس کو زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ سے تجھ کو
بلا دقّت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھّی سنائی
کُجا عاشق، کُجا کالج کی بکواس

کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس

بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پہ لادی جاتی ہے کہیں گھاس

یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس

دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود
نہیں موجود مغزِ سر کا آماس

یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ
تو استعفیٰ مرا باحسرت و یاس

پردہ اُٹھا ہے ترقی کے سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں

کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
"ٹھینک یو" دیر میں سُننے کے لئے کان تو ہیں

خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
آپ کیوں جان مری کھاتے ہیں یہ پان تو ہیں

ان سے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اگر
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

حرمِ سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
میاں سے بی بی ہیں، پردا ان کو فرض مگر
میاں کا علم ہی اُٹھا، تو پھر میاں کب تک
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غیرتیں، یہ حرارت، یہ گھر میاں کب تک
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ وانٹر میں
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک
جو مُنہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مُصر ابلیس
چھُپیں گی حضرتِ حوّا کی بیٹیاں کب تک

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا
بُوٹ ڈاسن نے بنایا، میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

کہا جب غیر کو کیوں تُو نے اے گُلرو پھنسایا ہے
تو بولا دل لگی کے واسطے اُلّو پھنسایا ہے
ادھر چاہِ ذقن ہے اُس طرف ہیں جال گیسو کے
ہمارے دل کو اُس نے کر کے بے قابو پھنسایا ہے

پرچہ رکھا جو اُس نے میں یہ سمجھا
پاکٹ میں یہ بیس رُوپیہ کا نوٹ گیا
گھر پہ کھولا، تو بس یہی لکھا تھا
کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

بوسہ کیسا، کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہُوں
بس کلام اپنا اُنھیں جا کے سُناآتا ہُوں
وُہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
مَیں یہ کہتا ہُوں کہ 'آداب بجا لاتا ہوں'

چھپکوں دُنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا گوند میں ہوں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

چِٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادُو ہے
دل جوشِ مفاخرت سے بے قابُو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے
القاب میں دیکھئے "ڈیر کلّو" ہے

وُہ مِس بولی ہیں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا ما فک ہے
نہ مانا شیخ جی نے چکھ گئے دس پانچ یہ کہہ کر
اگر قابض ہیں یہ بسکٹ تو ہوں اللہ مالک ہے

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہِ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

چھوڑ لٹریچر کو، اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

اُس مِس کی زباں بات جو لی میں نے دہن میں
بولی، کہ تیری راہِ ترقّی میں یہ بج ہے
میں نے کہا کہ اسکالرِ مشرق ہوں میں اے مِس
چپ رہ، کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی   لیلیٰ کچھ باؤلی نہیں تھی

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اس کی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ، یہ اچھی ٹھہری

میں نے کہا، کہ اپنا سمجھیئے مجھے غلام
بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہوں میں

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے صدا آرہی ہے دور دور کی

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پری زاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے، دل لیجئے
ہنس کے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے!
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون میں

عاشقی کا ہو بُرا اس نے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

ناک رگڑی برسوں اِسں ارمان میں
سُن لیں میری بات اِک دِن کان میں

دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طولِ شبِ فراق کو تو ناپ دیجئے

دوزخ کے داخلے میں نہیں اُن کو عذر کچھ
فوٹو کوئی لگا دے جو اُن کا بہشت میں

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں، ہر موڑ پہ اِک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

وُہ منانے میں بھی بناتے ہیں　　کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

مستی اکبر کی رقصِ مس سے نہ رُکی
بھونرے پہ نہ ہو سکی بھنبھیری غالب

موڑے سے نہ گردن کبھی اے یار نکالی
تو نے نہ مری حسرتِ دیدار نکالی

○

حالی

"کالے اور گورے کی صحت کا میڈیکل امتحان"

دو ملازم، ایک کالا اور گورا دوسرا
دوسرا پیدل، مگر پہلا سوارِ راہوار
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں
کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار
راہ میں دونوں کے باہم ہو گئی کچھ ہشت مشت
کوکھ میں کالے کی اِک مُکّا دیا گورے نے مار
صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی
آکے گھوڑے سے لیا سائیں نے اُس کو اُتار

ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
چوٹ کے صدمے سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونوں پیش و پس
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
ڈاکٹر نے آ کے دونوں کی سُنی جب سرگذشت
تہ کو جا پہنچا سخن کی سُن کے قصہ ایک بار
دی سند گورے کو لکھ، تھی جس میں تصدیقِ مرض
اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
یعنی اِک کالا نہ جس گورے کے مُکّے سے مرے
کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اور کہا کالے سے تم کو مل نہیں سکتی سند
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار
ایک کالا پِٹ کے جو گورے سے فوراً مر نہ جائے
اُسے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار

عادت تھی اِک فقیر کی، کرتا تھا جب سوال
انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اُس کی جب یہی دیکھی گئی روش
پُوچھا کسی نے اُس سے کہ اِس کا سبب ہے کیا

بولا کہ عادت اِس لئے کی ہے یہ اختیار
چھُٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا

پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
منّت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
سب کو ملزم تُو نے ٹھہرایا عبث
آنکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تُو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

واعظو! ہے اُن کو شرمانا گناہ
جو گُنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ
چھیڑ کر واعظ کو حالیؔ خُلد سے
بِستر اکیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

اقبال

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالبؔ خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سُنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ہے ٹھکانا دستکاری کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اِس شہر میں تکمہ نہ تھا سرمایہ داری کا

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے
ماجرا اپنی ناتمامی کا
مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو
صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
اور یہ بسوہ دار بے زحمت
پی گیا سب لہو اسامی کا

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا
تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں، پر کیا لذّت اِس رونے میں
جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا
اقبال بڑا اُپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے اُن سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے"

یہ کوئی دِن کی بات ہے اے مردِ ہوشمند
غیرت نہ تجھ میں ہو گی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دَور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّ نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

انساں ہوئے مہذّب لیکن مزا تو جب ہے
جنگل میں کہہ رہی تھی ہاتھی سے کل یہ ہتنی
تقریر کو کھڑی ہو کلّو میاں کی بیوی
پردھان ہو سبھا میں بنسی کی دھرم پتنی

دستور تھا کہ ہوتا تھا پہلے زمانہ میں
مُلّا کا، محتسب کا، خدا کا، نبی کا ڈر
دو خوف رہ گئے ہیں ہمارے زمانہ میں
مضموں نگار بیوی کا، سی، آئی، ڈی کا ڈر

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں، رُومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسّال کابل سے، کفن جاپان سے

○

اخبار میں یہ لکھتا ہے لندن کا پادری
ہم کو نہیں ہے مذہبِ اسلام سے عناد
لیکن وہ ظلم، ننگ ہے تہذیب کے لیئے
کرتے ہیں ارمنوں پہ جو ترکانِ بدنہاد
مسلم بھی ہوں حمایتِ حق میں ہمارے ساتھ
مٹ جائے تا جہاں سے بنائے شر و فساد
سُن کر یہ بات خوب کہا شہنواز نے
بلی چوہے کو دیتی ہے پیغامِ اتحاد

(۲)

بختِ مسلم کی شبِ تار سے ڈرتی ہے سحر
تیرگی میں ہے یہ شب دیدۂ آہو کی طرح
ہے اندھیرے میں فقط مولوی صاحب کی نمود
بن کے شمس العلماء چمکے ہیں جگنو کی طرح

(۳)

ہند کی کیا پوچھتے ہو اے حسینانِ فرنگ!
دل گراں، ہمت سبک، ووٹر فرزوں، روزی تنگ
بے ٹکٹ، بے پاس، بھارت کی سیاسی ریل میں
ہو گیا آخر مسیتا بھی مع اسباب ٹک
"ٹک ود دن" کا حکم تھا اُس بندۂ اللہ کو
اب یہ سنتے ہی نکلنے کو ہے "مسلم آؤٹ ٹک"

کیا عجب پہلے ہی لیڈر میں یہ کر دے آشکار
کس طرح آیا کولے کر، اُڑ گیا صاحب کا کُک
ختم تھا مرحوم اکبر پر ہی یہ رنگِ سُخن
ہر سخنور کی یہاں طبعِ رواں جاتی ہے رُک
قافیہ اِک اور بھی اچھا تھا لیکن کیا کریں
کر دیا متروک دلّی کے زباں دانوں نے تُک

(۴)

عمل عاشقوں کے ہیں بے طور سارے
نہیں اس کمیٹی کا کوئی اجنڈا
تمھیں ہند سرمایہ دارو مبارک
سلامت رہے ہم کو ٹیچی یو گنڈا
میں ڈنڈے پہ شاکر، تو انڈے پہ راضی
مرا پیر ڈنڈا، ترا پیر انڈا

(۵)

پٹی خوب جمّن کے ہاتھوں نصیبن
گئی عرس میں اور شب بھر نہ آئی
نہیں یار صاحب کے ٹیبل پہ اس کو
پڑی روپ بسکٹ کا دھارے خطائی
خدا کی زمیں تھی مزارع نے جوتی
کمائی مگر چودھری جی نے کھائی

(۶)

جنابِ شیخ کو پلواؤ خاص لندن کی

عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کے لئے
ہمارے حق میں تو جینا بُرا ہے مرنے سے
جو زندہ ہیں تو فقط آپ کی خوشی کے لئے
ہُوا میں جینے سے بیزار جب تو فرمایا
کہاں سے لاؤ گے بندوق خودکشی کے لئے

(۷)

محنت و سرمایہ دُنیا میں صف آرا ہو گئے
دیکھئے ہوتا ہے کس کس کی تمنّاؤں کا خوُن
حکمت و تدبیر سے یہ فتنۂ آشوب خیز
ٹل نہیں سکتا وَقَدْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ
کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مُسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ یَنْسِلُوْنَ

(۸)

مُندمل زخمِ دلِ بنگال آخر ہو گیا
وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاجِ شاہی یعنی کلکتے سے دہلی آ گیا
مل گئی بابو کو دھوتی اور پگڑی چھن گئی

پرویز شاہدی

گرم شیروانی

اے اُون کی چہیتی! اے سورج کی دُلاری
ہر تار سے نمایاں زُلفوں کی رشتہ داری
چشمِ سیاہِ خوباں کا نقشِ سحر کاری
خالِ رُخِ صنم کا تھا رنگ تجھ پہ طاری
ہے یاد مجھکو تیری گذری ہوئی جوانی
اے میری شیروانی!

تیری طلب میں دل نے کیا سختیاں اُٹھائیں
سو آرزوئیں کچلیں، سو خواہشیں دبائیں
کتنی ضرورتوں کی خود دھجیاں اُڑائیں
کتنے جری تقاضوں کی گردنیں جھکائیں
کتنی "ریاضیاتی" گلیوں کی خاک چھانی
اے میری شیروانی!

کتنے "معاشیاتی" قانون میں نے توڑے
کتنے ہی "مالیاتی" پچھلے اصول چھوڑے
دوڑائے ہندسوں کے کاغذ پہ کتنے گھوڑے
کتنے بجٹ بنائے، کتنے حساب جوڑے
کس کس کی بات ٹالی، کس کس کی بات مانی
اے میری شیروانی!

کتنے جواں ارادوں نے ہاتھ پاؤں مارے
ماتھے سے میرے ٹپکے کتنے حسیں ستارے
سانسوں سے میری برسے کتنے دبے شرارے
بیم و رجا کی دوزخ میں کتنے دن گزارے
جب جا کے میں نے پایا انعامِ جاں فشانی
اے میری شیروانی!

پینتیس کا دسمبر اب تک ہے یاد مجھ کو
سرما کا رقصِ خنجر اب تک ہے یاد مجھ کو
ٹھنڈی ہوا کا لشکر اب تک ہے یاد مجھ کو
اپنا ٹھٹھرتا پیکر اب تک ہے یاد مجھ کو
بھولا نہیں ہوں گرچہ ہے داستاں پرانی
اے میری شیروانی!

اُس سال تو ہوئی تھی پیدا انگارِ سرما
اے مُشک رُو حسینہ، عنبر عذارِ سرما
سُنبل سا اُون تیرا تھا پردہ دارِ سرما
رہتی تھیں تجھ سے لپٹی شب ہائے تارِ سرما
ہر صبح تھی زمستاں کی عیدِ کامرانی
اے میری شیروانی!

یادیں ہیں تجھ سے لپٹی کتنی ضیافتوں کی
کتنے مشاعروں کی، کتنی صدارتوں کی
کتنی نوازشوں کی، کتنی عنایتوں کی
پہلو نوازیوں کی، تپتی محبتوں کی
تھی طرزِ میہمانی میں شانِ میزبانی
اے میری شیروانی!

کاٹے مری رفاقت میں بیس سال تُو نے
جھیلا عذاب بادِ سردِ شمال تُو نے
کی میرے جسمِ ارزاں کی دیکھ بھال تُو نے
رکھا ہمیشہ میرے دُکھ کا خیال تُو نے
لیکن بقولِ واعظ "دُنیا ہے دارِ فانی"
اے میری شیروانی!

اب تو مُسک مُسک کر فریاد کر رہی ہے
زخمِ رفو سے پہلو آباد کر رہی ہے
طرزِ فغاں انوکھی ایجاد کر رہی ہے
مجھ کو بھی ساتھ اپنے برباد کر رہی ہے
بیدی کے کوٹ سے لے کچھ درس سخت جانی
اے میری شیروانی!

میں بیسواں جنم دِن تیرا منا رہا ہوں
پھر بخیۂ و رفو کا بربط بجا رہا ہوں
پچھلی نوازشوں کے پھر گیت گا رہا ہوں
ہر چاکِ نو سے تیرے آنکھیں لڑا رہا ہوں
دے سکتا کاش تجھ کو میں عمرِ جاودانی
اے میری شیروانی!

یہ سچ ہے اب رفاقت آرام چاہتی ہے
تیری مُسن محبت آرام چاہتی ہے
پیر و ضعیف محنت آرام چاہتی ہے
تو جیسے زیرِ تربت آرام چاہتی ہے
ہے موت کا پسینہ ماتھے کا تیرے پانی
اے میری شیروانی!

سن لے تو سالِ نو کا رنگیں پیام پیاری
کرتا ہے پھر زمستاں تجھ کو سلام پیاری
امسال بھی وفا کا چمکا دے نام پیاری
کر لوں گا پھر میں کوئی اور انتظام پیاری
حالات چاہتے ہیں تھوڑی سی مہربانی
اے میری شیروانی!

اپنی سہیلیوں کی تجھ کو خبر نہیں ہے؟
ہمجولیوں کی حالت کیا خستہ تر نہیں ہے؟
کیا سن رسیدگی کا ان پر اثر نہیں ہے؟
لاکھوں قمیضوں، کرتوں پر کیا نظر نہیں ہے؟
تو ہی نہیں شکارِ الطافِ قہرمانی
اے میری شیروانی!

ٹھٹھرے ہوئے بدن اب نعرے لگا رہے ہیں
بوسیدہ پیرہن اب نعرے لگا رہے ہیں
یارانِ انجمن اب نعرے لگا رہے ہیں
نادار اہلِ فن اب نعرے لگا رہے ہیں
ہے چند دن کی مہماں جاڑوں کی حکمرانی
اے میری شیروانی!

اجسامِ نیم عریاں ہمت دکھا رہے ہیں
ٹھٹھرے ہوئے تمدن کا سر اڑا رہے ہیں
جاڑوں کے لاڈلوں کی میت سجا رہے ہیں
لے کر کفن کا تحفہ محلوں میں جا رہے ہیں
خود عزم کہہ رہا ہے اب فتح کی کہانی
اے میری شیروانی!

شمیم کرہانی

دُلہن جا رہی ہے

دُلہن جا رہی ہے

نہ ڈھولک نہ تاشے
نہ شہنائیاں ہیں
رَواں ہیں براتی
کہ پرچھائیاں ہیں

نہ ہاتھوں میں مہندی
نہ ماتھے پہ سہرا
فغاں کی نگاہیں
شکایت کا چہرا

کھنکتی ہے چوڑی
نہ بجتے ہیں کنگن
نگاہوں میں غصّہ
طبیعت میں اُلجھن

پراگندہ زُلفیں
پریشان آنچل
خِزاں کی ہَوا میں
اُڑیں جیسے بادل

کہاں اپنا گلشن
پرائے ہوئے جگ
نہ بابل کی ڈیوڑھی
نہ ڈیوڑھی پہ بابل

وہ بابل کدھر ہے
کہاں کھو گیا ہے
خفا ہو کے شاید
کہیں سو گیا ہے

چمن چپ ہوا چپ
یہ شادی ہے یا غم
سسکتی ہیں کلیاں
تو روتی ہے شبنم

چمن سے بہارِ چمن جا رہی ہے
دلھن جا رہی ہے دلہن جا رہی ہے

کدھر کو ہے جانا
کدھر جا رہی ہے
نہیں چاہتا جی
مگر جا رہی ہے

کہ مالی نے کی ہے
تجارت چمن کی
نہ رکھ پائی عزت
امانت وطن کی

وہی نور جس سے
منور تھا دیدہ
غریبی نے بیچا
تو زر نے خریدا

کوئی ماں سے پوچھے
تجھے کیوں خوشی ہے
یہ دختر فروشی
تو دختر کشی ہے

تری زندگی سے
گئی ہر اُجالی ،
تری مانگ سونی
تری گود خالی

یونہی بیاہ جگ میں
رچاتا ہے پیسہ
یونہی مفلسی کو
نچاتا ہے پیسہ

غریبی کے خوں سے
نہ منتی یہ ہولی
تری لاش اٹھتی
نہ اٹھتی یہ ڈولی

خودی کو بچھائے کفن جا رہی ہے
دلھن جا رہی ہے دلھن جا رہی ہے

کہاں اب ملے گی
ہمالہ کی گودی
یہ جمنا کا دامن
یہ گنگا کی گودی

کہاں اب ملے گی
زمیں تاج والی
بتی کل کا سپنا
زمیں آج والی

کیسے اَب میسّر
یہ پھول اور کلیاں
یہ گلیوں کا بچپن
یہ بچپن کی گلیاں

کہاں اَب میسّر
یہ باغ اور لالے
یہ باغوں میں چلنا
اندھیرے اُجالے

تھکیں گی نگاہیں،
نہ دیں گے دِکھائی
یہ پھول ایسی بہنیں
یہ چاند ایسے بھائی

جو یاد آئیں شامیں
تو بکھریں گے گیسو
جو یاد آئیں صبحیں
تو ٹپکیں گے آنسو

Ohyaaro.com

غضب ہے چمن سے
یہ لالے کی رخصت
اندھیرے کی آمد
اُجالے کی رخصت

گھٹاؤں کے مُنہ میں کرن جا رہی ہے
دُلھن جا رہی ہے، دُلھن جا رہی ہے

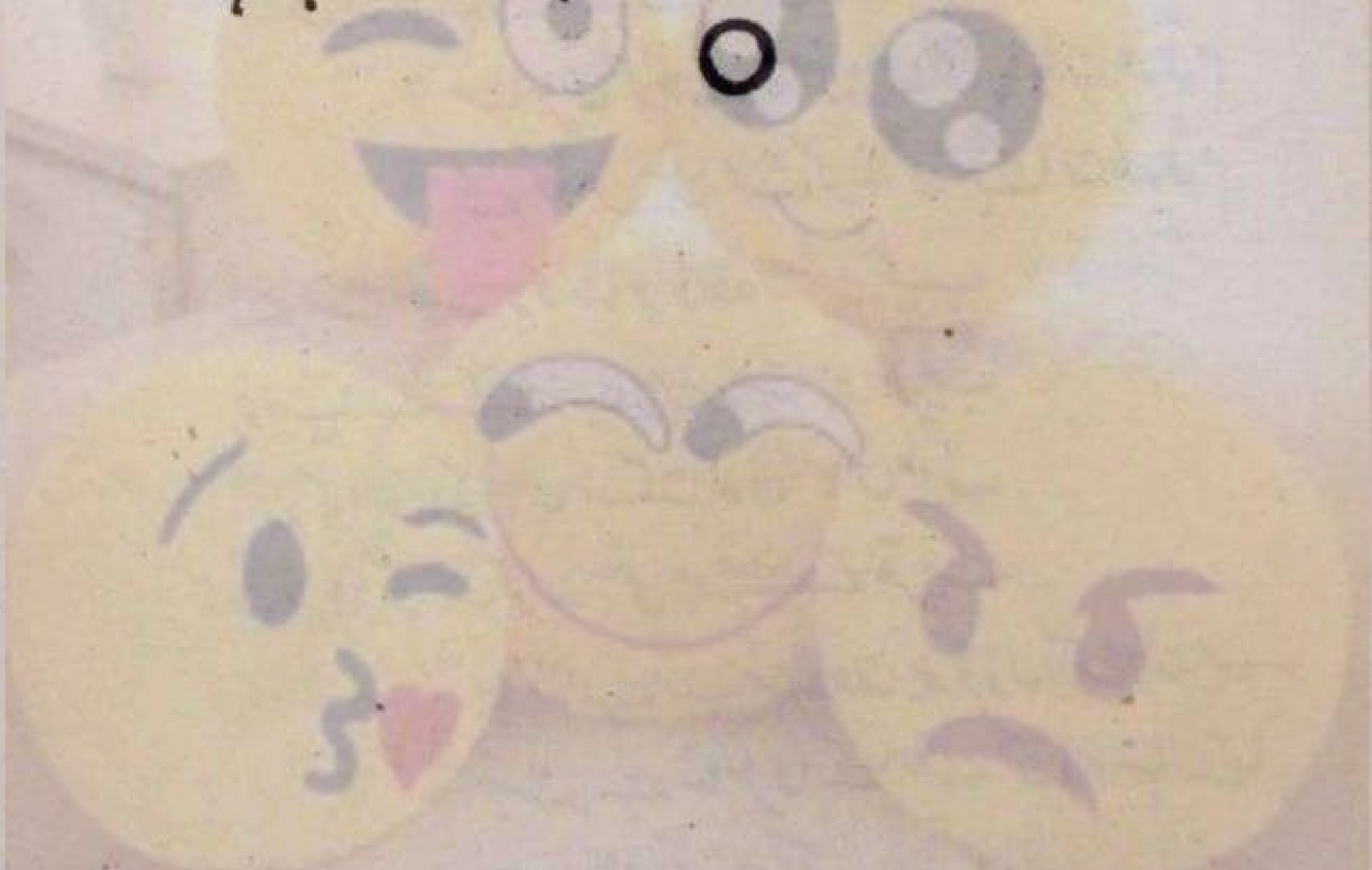

ظریف لکھنوی

مشاعرہ

تجھ میں اے ہندوستاں کچھ آج کل حد سے سوا
چار سُو پھیلی ہوئی ہے شاعری کی اِک وبا
اِس مرض میں اب تو اسّی فیصدی ہیں مبتلا
مستند شاعر ہے جس نے اِک تخلص رکھ لیا

شاعری کو عہدِ ماضی میں تھی پایانِ علوم
اب تخلص میں سمٹ کر آگئی جانِ علوم

ہے بہت تکلیف دِہ شاعر کی وہ جنسِ عجیب
جو سنانے کے لئے بے چین رہتا ہو غریب
اُس کو اچھا کر نہیں سکتا کوئی کامل طبیب
شاعری کی جس کو بدہضمی ہو ہیضے کے قریب

چاہتا ہے سب سُنا دوں جو کہوں اِک سال میں
مبتلا ہے شاعری کے سخت تر اِسہال میں

طرح کا مصرعہ نہیں، بجلی کی ہے اِک بیڑی
جڑ دی شاعر میں جہاں اُس نے غزل اِک ڈھال دی
دعوتِ شعر و سخن اب دل لگی ہے، دِل لگی
سال میں جتنے ہیں دن تعداد اُن سے بڑھ گئی

جس جگہ شرکت نہ کی جائے وُہی آزردہ ہے
سب کو خوش کرتا پھرے شاعر کا ہی دل گُردہ ہے

دیکھ تیری قدر یوں کرتے ہیں تیرے قدرداں
کوئی میلہ ہو کہیں پر یا نمائش ہو نہاں
جس میں سرکس بھی ہو، دنگل میں لڑیں کچھ پہلواں
یاد کر لیتے ہیں بھولے سے تجھے بھی مہرباں

دیتے ہیں لالچ میڈل کا تیری عشرت کے لئے
تھرڈ کا تجھ کو ٹکٹ ملتا ہے شرکت کے لئے
وہ بھی جب کافی ضمانت ہو کہ شاعر آئے گا
یہ کرایہ تو کہیں لے کر نہیں کھا جائے گا
ایک بھرتی کرنے والا خود ٹکٹ دلوائے گا
اپنی ہمراہی میں تجھ کو ریل میں بٹھلائے گا

پڑھ نہ لے جب تک غزل ہوتی رہے گی دیکھ بھال
بعد اس کے ایک دو ٹر اور شاعر کا مآل
تیری پالی دیکھنے کو جمع ہوتے ہیں عوام
گرد تیرے طائفے کے اک گنو۔ دل اژدہام
وہ غزل پڑھنا خوش الحانی سے تیرا وقتِ شام
واہ وا کا شور پھر جھک جھک کے وہ تیرا سلام

جمع ہوتی ہے تجھے ساری خدائی دیکھنے
طرح کے مصرعے کے دانے پر لڑائی دیکھنے
اک کبریا سن کے یوں کرنے لگا اظہار رائے
یہ تو ساعر تھا پھسڈی اور بڑھیا کوئی آئے

جو گجل میں جُلف کا ماسوک کی نکسا دِکھائے
ہم سے سوکینوں کے دل پہ کچھ رعاب اپنا جمائے
ڈانٹ کے، للکار کے ہر ایک میہپل میں پڑھے
جو گجل موکے پہ کہہ ڈالے، مکابل میں پڑھے

بھائی مولا بخش جس بستی میں ہم آباد ہیں
اُس جگہ ساعر بڑے بڑھیا ہیں مادرجاد ہیں
اُن سبھوں میں سکھ بدلو ایک جگت استاد ہیں
اُن کو ہر موکے کی گجلیں مُنہ جبانی یاد ہیں
جس جگہ اُستاد نے دو تین گجلیں جھاڑ دیں
ساعروں نے ہو کے سرمندہ بیاجیں پھاڑ دیں

یہ نمائس میں ابھی دیوے گئے تھے پار سال
ایک حکانی گجل ایسی سُنائی بے مثال
حاکم او رنے بیل وار ایسے ہوئے سُن کر نہال
دے دیا تمگا اُنھیں سونے کا جھٹ بے کیل و کال
اور جو ساعر نمائس میں گئے تھے بِس ہو گئے
بس تمگت استاد بدلو گول مڈلس ہو گئے

پیسے والوں کی سمجھ میں آگئی ہے اب یہ بات
صرف بے جا ناچ گانے کا ہے بالکل واہیات
جب کوئی جلسہ خوشی کا ہو کہیں پہ ہو برات
منعقد بزمِ سخن ہوتی ہے تاکٹ جائے رات
پہلے اربابِ نشاط آتے تھے گانے کے لئے
اب تو شاعر جاتے ہیں غزلیں سنانے کے لئے

میونسپل الیکشن

واہ بی میونسپلٹی جان کیا کہنا ترا
تو ہے چچی لیلیٰ کی عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھ پہ جو عاشق ہوا
پھر زبانِ حال سے اس کو یہی کہتے سُنا

بس کہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشقِ میونسپلٹی را مطلق حیا درکار نیست

سب سے پہلے اُن کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاہا قوم کا
دھوتی باندھے، مرزئی پہنے، تنا بیٹھا ہُوا
اِک مٹی کا حقہ پی رہا تھا کج ادا

جاتے ہی تسلیم کی جب اس کو با صد احترام
مُنہ کو ٹیڑھا کرکے بولا "کو ہے بالیکم سلام"

اس جگہ سے اُٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم، خود بھی تھے پیتے ہوئے
آپ کی تنخواہ تو کم، ٹھاٹھ تھے لیکن بڑے

انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جوان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں میں کالر گلے کا طوق تھا

دیکھ کر صورت کو اُن کی اس طرح کہنے لگے
آئی ایم ویری بزی میک ہیسٹ جلدی بولئے

پھر اِدھر ٹہلے اُدھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کر
اپنے کتے سے کہا کم اون اُن سے گو ائیے

پھر کہا یو آر کینڈی ڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپنی ووٹ کیسے دے گا صاحب اولڈ مین

بگولے ناچتے تھے نجد میں اور قیس عُریاں تھا
یہ سب کیا تھا فقط لیلیٰ کی دلچسپی کا ساماں تھا

مرا دِل ڈاک بنگلہ اور تصوّر خانساماں تھا
خیالِ یار جنٹلمین کی صورت سے مہماں تھا

جنوں اِک شعبدہ تھا میرے اِک اُڑتے ہوئے دل کا
کبھی گھر تھا بیاباں میں، کبھی گھر میں بیاباں تھا

ظریفؔ اس کو طلسمِ بحرِ ہستی کب نظر آتا
جو عاشق اُن کا کچھوے کی طرح سر در گریباں تھا

جب سے عاشق ہو گئے اس بت پہ چوکیدار تک
سونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

چھوٹے عاشق اس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت
ہو گئے گندہ دہن بوئے وفا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم
ہو گئے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

احمق پھپھوندوی

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئینِ گلشن میں
کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

پچھتر لاکھ بھی بیکار مدّ میں صرف کر دیں گے
رعایا کے لئے کوڑی نہیں جن کے خزانے میں

جو ارزاں ہے تو ہے اُن کی متاعِ آبرو ورنہ
ذرا سی چیز بھی بے حد گراں ہے اس زمانے میں

جفا و ظلم نصب العین ہو گا جس حکومت کا
یقیناً خاک ہو جائے گی وہ تھوڑے زمانے میں

وہ اک روٹی جو ہم کو برہمن مشکل سے دیتا ہے
ہزاروں بُت ہوا کرتے ہیں اس کے دانے دانے میں

ہم اور عرضِ مطلب اُن سے عدو کے گھر میں
دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں

دل جس پہ مبتلا ہے بس ہے وہی دلِ آرا
مانا ہے داغ رُخ پر مانا ہے گنج سر میں

کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دُور رہنا
اب کیا بتائیں تم کو کیوں درد ہے کمر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اک دن
چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں اُن کے گھر میں

گئے وہ دِن کہ چمپا اور نرگس کی بہاریں تھیں
بس اَب یا سینٹ ہے اِس انجمن میں یا لونڈر ہے
رقیبِ رُوسیہ کی صُورت و سیرت معاذاللہ
بلا تشبیہہ وہ لنگور کی اولاد بندر ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے
کہ میری آہِ سوزاں اَب مرے کہنے سے باہر ہے
خدا کی شان کپڑا بھی ہمیں بُننا نہیں آتا
کفن کے واسطے بھی احتیاجِ مانچسٹر ہے

طے کر چکے منازل تہذیب و ارتقا کے
ڈالیں اَب اہلِ یورپ دُنیا میں خوب ڈاکے
ناسوتیوں کے آگے لاہوت کے مسائل
لائے ہیں شیخ صاحب شاید کچھ آج کھا کے
سختی ٔ جاں کنی سے اینٹھے جو خاں بہادر
بولی اجل اکڑنا اَب تم لحد میں جا کے
ہے فکرِ عیش و راحت اے شیخ تجھ کو ناحق
آیا تو ہے فقیری تقدیر میں لکھا کے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں

یہ شوخی، یہ شرارت، یہ دل آرائی کہاں اُن میں
مِسوں کے چاہنے والے کہیں چوروں پہ مرتے ہیں
وُہ گُل رخسار جن کے باغ میں بُلبل چہکتے تھے
اَب اُن کی قبر کا سبزہ گدھے اور بیل چرتے ہیں

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار
نوبت آئے گی ہاتھا پائی کی
بلئے تقریبِ وصل کیا ہو گی
اُن کی عادت نہیں مٹھائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی تم نے
کاٹ لی ناک پارسائی کی

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں
پہلے ذرا تم اپنی پتلون تو سنبھالو
شام و عراق و ترکی سب ہیں تمہاری خاطر
مرقد کی فکر کیا ہے چاہے جہاں بنالو

باوجود اِس اِتقائے خاص کے بھی شیخ جی
بارہا پکڑے گئے ہیں اس کے گھر جاتے ہوئے
ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکارِ وصل
دو مہینے ہو گئے ظالم کو ٹرخاتے ہوئے

پڑھ کے انگریزی دماغ اُس کا فلک پر ہو گیا
جانتا ہے خود کو باورچی کہ بٹلر ہو گیا
صحبتِ صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاحِ حال
میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا

فوق کشمیری

اتفاقاً کل میں جا نکلا نکلسن روڈ پر

جس جگہ تھے جمع کچھ نظارے سائٹ کے لئے
یعنی ہیئر کا سرِ رہ اِک وہاں سیلون ہے
شب تو شب جو وقت ہے دن کو بھی لائٹ کیلئے
ایک مِس کم سن کہ ہے مستِ شبابِ حُسن و عشق
بوالہوس مرتے ہیں جس پر اپنے رائٹ کے لئے
جب اُسے دیکھا جبینِ ناز پر بل آ گئے
گفتگو جب کی ہوئی تیاّر فائٹ کے لئے
تخلیہ چاہا تو فرمایا کہ قدر خود شناس
کوششیں بیکار ہیں کالے کی وائٹ کے لئے

خلقِ نادار کی بھی سُن زاری
نام تیرا جو خالقِ باری
پی گئے خون تیرے بندوں کا
جن کو بخشی ہے تُو نے سرداری
ہم ترے خوف سے سدا لرزاں
وُہ ازل ہی سے مجرمِ خواری
اُن کی نظریں ہماری روزی پر
چھین کر لے گئے زمیں ساری

اُن کا سرمایہ اپنی پامالی
اُن کی تفریح، اپنی ناداری
خُون اِتنا سفید ہے اُن کا
روزِ روشن میں ہے سیہ کاری
شغل اُن کا تکبّر و نخوت
کام اُن کا ہے معصیّت کاری
کوئی رشتہ بیں ہو غریب اگر
اُس کے رشتہ سے ہیں یہ اِنکاری
اُن کے کُتّوں کو نعمتیں حاصل
تیرے بندوں کو ذلّت و خواری
ٹوک سکتا نہیں کوئی اُن کو
ڈر سے خاموش خلق بے چاری
ابھی حرکت میں کیا نہ آئے گی
میرے اللہ تیری قہاری
ہم غریب اور تو غریب نواز
ہے تجھی سے اُمیدِ غمخواری

قحط جائے گا تو جائے گی دبا
ساتھ سالے ہی کے سالی جائے گی
ضعفِ معدہ کی شکایت ہے مجھے
ایک گالی خیر کھالی جائے گی
تیغ تو اب قید سے آزاد ہے
پر یہ کیا تم سے سنبھالی جائے گی؟

کیوں ثمر دے گا نہ باغِ اتحاد — "پھوٹ" گر اس سے نکالی جائیگی
میرے گھر بھی آئے گا دانہ کوئی — یا مجوزہ ہی میں سالی جائے گی
ذوق کو کشمیر میں جانے تو دو — اُس کی تو یہ آزمالی جائے گی

○

حاجی لق لق

عشق میں میں وقفِ زاری ہوگیا
آنسوؤں کا پمپ جاری ہوگیا

پیچھے پھرتے ہیں عاشق کُو بہ کُو
دل بھی اب گوٹا کناری ہوگیا

حسنِ فرسودہ بھی ہے پوڈر زدہ
آج یہ چھکڑا بھی لاری ہوگیا

بعد اپریشن مرا دل دیکھکر
ڈاکٹر پر وجد طاری ہوگیا

ایک دل کے دو بنائے دو کے چار
یار کیا ٹھہرا مداری ہوگیا

جی میں ہے لے دیں اُسے ایڈنگ مشین
اُن کو شوقِ دل شماری ہوگیا

عشق کا ہونے لگا اُس کو بخار
حاجی لق لق بھی بخاری ہوگیا

مقصدِ حیات

زندگی کیا چیز ہے، کس دیس کی سوغات ہے
آؤ ہم بتلائیں کیوں جیتے ہیں ہم کیا بات ہے
زندگی اپنی نمائش گاہِ مصنوعات ہے
چار دِن بجلی کا لمپ اور پھر اندھیری رات ہے

آئے ہیں دُنیا میں ہم کچھ کام کرنے کے لئے
کچھ خدا سے اور کچھ بیوی سے ڈرنے کے لئے

ہے جوانوں کے لئے سینما میں جانا زندگی
جیب میں پائی نہ ہو، ٹائی لگانا زندگی
مہ وشوں سے باغ میں آنکھیں لڑانا زندگی
غسل خانے میں اکیلے گنگنانا زندگی

عشق بازی اور موسیقی نہیں تو کچھ نہیں
اور کچھ کچھ مے سے دلچسپی نہیں تو کچھ نہیں

شعر کہنا بھی بنا جاتا ہے جزوِ زندگی
نام چھپ جانا رسالے میں ہے حدِّ شاعری
نثر میں اشعار کہہ لینا ہے اِک صنعت نئی
اور اگر یہ بھی نہیں خالی تخلص ہی سہی

نام کے ساتھ ایک دو الفاظ کی دُم چاہیئے
شعر پھیکا ہی سہی، لیکن ترنم چاہیئے

زندگی کا ایک مقصد لیڈری کرنا بھی ہے
چندہ کھا کر قوم کی اُلفت کا دم بھرنا بھی ہے
ملک پر جاں دینا لفظی طور پر مرنا بھی ہے
اس پہ "مُردہ باد" کے نعروں سے کچھ ڈرنا بھی ہے

گرم جلسوں میں رہے ہنگامۂ کون و فساد
کان میں آتے رہیں بس نعرہ ہائے زندہ باد

مقصدِ حجّام ہے عورت بنانا مرد سے
مقصد اپنا ہے ڈرانا بُت کو آہِ سرد سے
کام کُتّوں کو بڑا آوارہ کوچہ گرد سے
ڈاکٹر کو ایکس رے سے اور دلِ پُر درد سے

ہے یہ ایڈیٹر کا مقصد جنگ چھڑ جائے کہیں
یہ نہیں تو مسلم و ہندو ہی بھڑ جائے کہیں

کام بیکاروں کا ہے شام و سحر غم دیکھنا
اہلِ دفتر کی طرف با چشمِ پُرنم دیکھنا
کو بہ کو قومی رضا کاروں کا اودھم دیکھنا
صبح دم اخبار میں "وانٹیڈ" کا کالم دیکھنا

اِن غریبوں کا کوئی مقصد بھی بر آتا نہیں
اب کہیں لکھا "ضرورت ہے" نظر آتا نہیں

زندگی کے اور مقصد بھی ہیں اِنساں کے لئے
کوئی ایواں کے لئے ہے، کوئی زنداں کے لئے

کوئی گلشن کے لئے کوئی بیاباں کے لئے
اور تعلق ہے تو افکارِ پریشاں کے لئے
رات دن اُس کا قلم مصروفِ تقلقیات ہے
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

○

شاد عارفی

نوکرانی

وہ نوکرانی کہ مفلسی جس کو خدمتوں سے لگا چکی ہے
جو عجلتِ کار کے تقاضوں میں آدمیت گنوا چکی ہے
جو بے محابا کباب تلنے میں ہاتھ اپنے جلا چکی ہے
جو ڈانٹ پر ڈانٹ کھا چکی ہے، جو آگ پر گھی گرا چکی ہے
جو اپنے بھوکے یتیم بچے کو دے کے ٹکڑا ہٹا چکی ہے
یہ لغزشیں ہیں کہ جن پہ بیگم اُسے ہزاروں سنا چکی ہیں
زباں کی قینچی میں خنجرِ آبدار کا رنگ آ گیا ہے
ٹریل میلی پڑی ہوئی ہے، چھری پہ بھی زنگ آ گیا ہے
نفاست و شستگی کا وہ حال! خیر دل تنگ آ گیا ہے
خراب ہے جوٹی کی میزانِ عقل، پاسنگ آ گیا ہے
نظر بچا کر نمک حرامی کا خوب سا ڈھنگ آ گیا ہے
میں سب سمجھتی ہوں رات جس طرح دودھ بلی گرا چکی ہے

یہ طعنۂ آقا کہ پانچ بجتے ہیں چائے تیار کیوں نہیں ہے
"ابھی اُٹھی ہوں" سے مجھ کو مطلب سحر سے بیدار کیوں نہیں ہے
تتر بتر ہیں لباس و بستر تجھے سروکار کیوں نہیں ہے
بھری ہیں کیوں گھنگھنیاں سی منہ میں زباں پہ اقرار کیوں نہیں ہے
یہ جس کے لچھن، یہ جس کے کرتوت ہوں خطاوار کیوں نہیں ہے
تجھے ہماری "عنایت چشم پوش" کاہل بنا چکی ہے
پکڑ لئے ہیں قدم زمیں نے کھڑی ہے مجبور سر جھکائے
نہیں سزاوار پیش خدمت کہ ہونٹ کھولے زباں ہلائے
جبیں سے بے چارگی نمایاں، مصیبت دل کہی نہ جائے
دماغ کے ساتھ گھر کی ہر چیز جیسے لٹو کوئی گھمائے
نظر میں بیگم کے دھندلے نقوش جس طرح نیند آئے
یہ ایک سپنا کہ سر کو آقا کی ٹھوکروں سے لگا چکی ہوں
مگر تکبر نے عاجزی کا نہ لائق التفات سمجھا
ستم شعاری نے سجدۂ عفو جرم کو واہیات سمجھا
امیں، مردار، سست، منحوس، بد نظر، ہیچ ذات سمجھا
غرور سرمایہ نے غریبی کو پیکر بے حیات سمجھا
وہ جس نے گھر بھر کی خدمتوں کو فریضۂ کائنات سمجھا
ابھی نکل جا کا حکم پاتے ہی اپنا بستر اُٹھا چکی ہے

رنگیلے راجا کی موت

طبیبانِ شاہی بھی ہیں ڈاکٹر بھی
یہ نرسیں، یہ جرّاح، یہ چارہ گر بھی
یہ بہادر، نو عمر و کرنل ستمگر بھی
کئی دانت چاٹے ہوئے پنشنر بھی
نہیں کوئی اِتنا جو مجھ کو بچالے
ہُوا جا رہا ہوں قضا کے حوالے

نکالو یہ چمپا کا شوہر کھڑا ہے
یہ زینت محل کا منگیتر کھڑا ہے
یہ سردارِ ملّت، وُہ رہبر کھڑا ہے
گروہِ جوانانِ مضطر کھڑا ہے
وُہ سب جی چکے جو فنا ہو چکے تھے
مرے ہاتھ سے خاکِ پا ہو چکے تھے

یہ وُہ کنواریاں جو اُڑا دی گئی تھیں
اُڑا دی، سُلا دی، چھپا دی گئی تھیں
چھپا دی، مٹا دی، جلا دی گئی تھیں
جلا دی، دبا دی، بہا دی گئی تھیں
بھیانک ارادوں سے للکارتی ہیں
مرے حال پر قہقہے مارتی ہیں

وُہ بوڑھا جو آیا تھا بیٹی کے آڑے
وُہ گلگشن، وُہ گلبن جو میں نے اُجاڑے
وُہ بُوڑھی جو لوٹی گئی دن دہاڑے
وُہ کلیاں کھلی تھیں جو راجا کے باڑے

وُہ سب ظلم کی ٹہنیاں پھل چکی ہیں
بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈھل چکی ہیں

بڑھے آرہے ہیں وطن کے پجاری
نظر آرہی ہے شرارت تمھاری
دھرا رہ گیا غرّۂ قلعہ داری
کوئی توپ داغی، کوئی باڑھ ماری

یہ حالات اور تم جہاں تھے وہیں ہو
سمجھتا ہوں سب دشنۂ آستیں ہو

کھلا اب کہ تم تھے چھپے انقلابی
محل ڈھائے دیتی ہے خانہ خرابی
کلس کانپ اُٹھے گری ماہتابی
نکل جاؤ باہر گرا کر حجابی

مری سمت حیرت سے کیا دیکھتے ہو
تماشائے عبرت فزا دیکھتے ہو

وُہ کمرے میں گھس آئے پستول لانا
بھٹا کر مجھے گاؤ تکیہ لگانا

پھر پڑے گا مجھے خود ہی زور آزمانا
کوئی کہے ذرا خود و بکستر اٹھانا

سنبھل جاؤ اے بدمعاشو اٹھائیں
گھٹا دم گھٹا، ہائے لینا چلائیں

○

سید محمد جعفری

اے کراچی

اے کراچی کھٹمل اور مچھر کے دیرینہ وطن
سب کو یہ دو نعمتیں ملتی ہیں تجھ سے تحفتاً
اور شہیدِ ناز ہو جاتے ہیں گلگوں پیرہن
کب تلک ہم سے تغافل کب تلک بیگانہ پن

سرد مہری اور گرمی کا تری یہ آسرا
سندھ صوبہ کی وزارت کی طرح موسم ترا

حسن تیرا دلفریب اور دل سے سب لاچار ہیں
اس لئے تصویرِ محشر کوچہ و بازار ہیں
گو مکانوں کی کمی سے سب زبوں و خوار ہیں
تیرے عاشق تجھ پہ مرنے کے لئے تیار ہیں

وہ نہ جائیں گے اگر دنیا کو ڈھائے قضا
تو ہی کچھ تدبیر بتلا کیا کریں "ہاشم رضا"

اوّلیں کوئی مکاں خالی نہیں آتا نظر
اور کہیں دو چار دن کے واسطے جائے اگر
چھوڑ جائے شومیٔ قسمت سے خالی اپنا گھر
سونگھتے پھرتے ہیں ہمسائے اِدھر کوئی اُدھر
بے تکلّف گھر میں گھس جاتا ہے یہ کہہ کر ہجوم
"ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم"

پگڑیاں دے کر ترے دربار میں آتے ہیں لوگ
"ہاؤس بلڈنگ یونین" سے دل کو بہلاتے ہیں لوگ
تیرے پہلو میں خیالی قلعے بنواتے ہیں لوگ
رات کو فرشِ زمیں پر تھک کے سو جاتے ہیں لوگ
گردِ غربت میں اُنھیں کوئی نشاں ملتا نہیں
مسجدیں کم ہیں خدا کو بھی مکاں ملتا نہیں

تیرے بازاروں کی رونق اور شہروں میں کہاں
حُسن سے شرما کے بُجھ جاتی ہیں اکثر بجلیاں
پر دلِ وحشی کو مل سکتی نہیں پھر بھی اماں
آ کے لُٹ جاتا ہے بازاروں میں "بھولا پہلواں"
پھر نہ دنگل کام آتے ہیں نہ کوئی داؤ پیچ
ساری دُنیا ہے مریضِ عشق کی آنکھوں میں ہیچ

زاہد و مُلّا کو یہ باتیں ہیں تیری ناپسند
رہ گزر میں شعلہ رُو دل کو بناتے ہیں سپند

ان کی صحت کے لئے یہ سب ہے بے شک سُودمند
خاص کر راشن سے جب ملتی ہے شکر اور قند
ہیں نمایاں وہ سرِ رہ روز کی لاحول سے
اُن کو بھی اُلفت ہے محبوبوں کے اس ماحول سے

اے کراچی حُسن کا تُو نے لیا اِن سے خراج
جو ترے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہیں با صد احتیاج
اُن کے جسم و روح کے رشتے ہیں محتاجِ علاج
عاشقوں کا دل نہیں ہے کم تر از "سکھر براج"

شاعروں اور عاشقوں کی آہِ طوفانی سے ڈر
تو سرِ ساحل ہے بحرِ غم کی طغیانی سے ڈر

اور ہوں گے شہر جن میں اُونٹ ہی بدنام ہے
اس زمیں پر "حضرت اشتر" کا جلوہ عام ہے
اور ملکوں میں گدھا مجبور ہے، ناکام ہے
یہ "خرِ عیسیٰ" یہاں پر واجب الاحترام ہے

قدرتِ حق دیکھنی ہو تو گدھا گاڑی کو دیکھ
اس پہ چڑھ کر جا کلفٹن اور کیماڑی کو دیکھ

ٹریم بھی چلتی ہے اور چلتی ہے اس میں بھیڑ بھاڑ
یوں نظر آتی ہے جیسے چلے انسانوں کا جھاڑ
راستہ میں اس کا کنڈکٹر سے ہوتا ہے بگاڑ
وہ مسافر اور ٹکٹ چیکر کی باہم چھیڑ چھاڑ

جیب کتر دل کے لئے بھی عیش بے اندازہ ہے
خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ ہے

تجھ میں گاندھی گارڈن اک سیرگاہِ عام ہے
طائرِ دل جس میں پھنس جائے یہاں وہ دام ہے
ہر نگاہِ فیصلہ کن موت کا پیغام ہے
لیک سکسِ بھی ہے اس میں مجلسِ اقوام ہے

بند ہیں پنجروں کے اندر ایسی اقوامِ کہن
مورثِ اعلیٰ جنھیں کہتے تھے مسٹر ڈارون

ہیں ترے نقارخانے میں بہت سی بولیاں
اس میں چپ بیٹھی ہے تنہا طوطیٔ شیریں بیاں
یعنی وہ اردو جو ہجرت کرکے آئی تھی یہاں
جنگ آمادہ ہیں اس بیگم سے گھر کی باندیاں

اس کی قدر و منزلت سے دل ترا بیگانہ ہے
"گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے"

بس یہی چلتی ہے یہاں پر جیسے چلتی ہو ہوا
جی میں جب آیا چلیں اور جس طرف منہ اٹھ گیا
ٹھہر جائیں راہ میں موسم جو دیکھیں جانفزا
دفعتاً چل کر رکیں اور رک کے چل دیں بارہا

دور سے آئیں تو چل دیں ڈال کر ترچھی نظر
رہ گئے فٹ پاتھ پر عاشق کلیجہ تھام کر

اے کراچی اے عروسِ ساحل، اے تاج البلاد
سینۂ صحرا پہ تُو ہے جنتِ ذات العماد
قائدِ اعظم کو لے آئی یہاں بادِ مراد
ملکِ پاکستان کے مانند تُو بھی زندہ باد

تُو مری لیلیٰ ہے تجھ سے عشق مجنونانہ ہے
تیرے سینے میں نہاں اِک گوہرِ یک دانہ ہے

ایبسٹریکٹ آرٹ

ایبسٹریکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
کی تھی از راہِ مروّت بھی ستائش میں نے
آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ کیا دیکھا تو شرماتا ہوں
صرف کہہ سکتا ہوں اتنا ہی وہ تصویریں تھیں
یار کی زلف کو سُلجھانے کی تدبیریں تھیں

ایک تصویر کو دیکھا جو کمالِ فن تھی
بھینس کے جسم پر اِک اونٹ کی سی گردن تھی
ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں
ٹانگ کھینچی تھی، کہ مسواک جسے کہتے ہیں
نقشِ محبوب مصور نے سجا رکھا تھا
مجھ سے پوچھو تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

یہ سمجھنے کو، کہ یہ آرٹ کی کیا منزل ہے
ایک نقاد سے پوچھا جو بڑا قابل ہے
سبزۂ خط میں وہ کہنے لگا رعنائی ہے
میں یہی سمجھا، کہ ناقص مری بینائی ہے

بولی تصویر جو میں نے اسے اُلٹا پلٹا
"میں وہ جامہ ہوں کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا"
اس کو نقاد نے اک چشمۂ حیواں سمجھا
میں اسے حضرتِ مجنوں کا گریباں سمجھا
دیر تک بحث رہی مجھ میں اور اس میں جاری
تب یہ ثابت ہوا ہوتی ہے یہ اِک بیماری

ایک تصویر کو دیکھا، کہ یہ کیا رکھا ہے
ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے
ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پہ سورج کی کرن
بولا نقاد جو یہ آرٹ ہے تجریدی ہے
آرٹ کا آرٹ ہے تنقید کی تنقیدی ہے
تھا کبھو بزم میں کاغذ پہ جو آتا تھا نظر
مجھ کو اینٹیں نظر آتی تھیں اُسے حُسنِ بشر
بولا نقاد نظر آتے یہی کچھ ہم تم
خُلد میں حضرتِ آدم جو نہ کھاتے گندم

ایبسٹریکٹ آرٹ بہر طور نمایاں نِکلا
"قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا"

وہ خد و خال کہ ثانی نہیں جن کا کوئی آج
بات یہ بھی ہے کہ ملتا نہیں رنگوں کا مزاج
اس کو کیوبزم کا آزاد کہا کرتے ہیں
اس کے خالق جو ہیں بیمار رہا کرتے ہیں

ایک تصویر جو دیکھی، تو یہ صورت نِکلی
جس کو سمجھا تھا انناس، وہ عورت نِکلی
ایبسٹریکٹ آرٹ کی اس چیز پہ دیکھی یہ اساس
"تن کی عریانی سے بہتر نہیں دُنیا میں لباس"
اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے تھے
ڈر کے ماؤں کے کلیجوں سے لپٹ جاتے تھے

ایبسٹریکٹ آرٹ کا اِک یہ بھی نمونہ دیکھا
فریم کاغذ پہ تھا، کاغذ جو تھا سُونا دیکھا
وہ ہمیں کیسے نظر آئے جو مقسوم نہیں
"لوگ کہتے ہیں کہ ہے، پر ہمیں معلوم نہیں"
ڈر سے نقادوں کے اِس آرٹ کو یوں کہتے ہیں ہم
"شاہدِ ہستئ مطلق کی کمر ہے عالم"

الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف
آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف

میں نے یہ کام کیا سخت سزا پانے کا
یہ نمائش نہ تھی اِک خواب تھا دیوانے کا
کیسی تصویر بنائی مرے بہکانے کو
اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو

⊙

ساحر لدھیانوی

تاج محل

تاج، تیرے لئے اِک مظہرِ الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیٔ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے
بزمِ شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنیٰ؟
ثبت جس راہ پہ ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اُس پہ الفت بھری رُوحوں کا سفر کیا معنیٰ؟
میری محبوب پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تُو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مُردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

ان گنت لوگوں نے دُنیا میں محبّت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے اُنکے
لیکن اُن کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وُہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مُفلس تھے

یہ عمارات و مقابر، یہ فصیلیں، یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
سینۂ دہر کے ناسُور ہیں کہنہ ناسُور
جذب ہے اُن میں ترے اور میرے اجداد کا خوں

میری محبُوب! اُنھیں بھی تو محبت ہوگی
جن کی صنّاعی نے بخشی ہے اسے شکلِ جمیل
اُن کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک اُن پہ جلائی نہ کسی نے قندیل

یہ چمن زار، یہ جمنا کا کنارہ، یہ محل
یہ منقّش در و دیوار، یہ محراب، یہ طاق
اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبّت کا اُڑایا ہے مذاق
میری محبُوب! کہیں اور ملا کر مجھ سے

نور جہاں کے مزار پہ

پہلوئے شاہ میں یہ دخترِ جمہور کی قبر
کتنے گم گشتہ فسانوں کا پتہ دیتی ہے
کتنے خوں ریز حقائق سے اُٹھاتی ہے نقاب
کتنی کچلی ہوئی جانوں کا پتہ دیتی ہے

کیسے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لئے
سالہا سال حسیناؤں کے بازار لگے
کیسے بہکی ہوئی نظروں کے تعیّش کے لئے
سرخ محلوں میں جواں جسموں کے انبار لگے

کیسے ہر شاخ سے مُنہ بند مہکتی کلیاں
نوچ لی جاتی تھیں تزئینِ حرم کی خاطر
اور مُرجھا کے بھی آزاد نہ ہو سکتی تھیں
ظلِّ سُبحان کی اُلفت کے بھرم کی خاطر

کیسے اِک فرد کے ہونٹوں کی ذرا سی جنبش
سرد کر سکتی تھی بے لوث وفاؤں کے چراغ
لُوٹ سکتی تھی دمکتے ہوئے ماتھوں کا سُہاگ
توڑ سکتی تھی مئے عشق سے لبریز ایاغ

سہمی سہمی سی فضاؤں میں یہ ویراں مرقد
اتنا خاموش ہے فریاد کناں ہو جیسے
سرد شاخوں میں ہوا چیخ رہی ہے ایسے
رُوحِ تقدیسِ و وفا مرثیہ خواں ہو جیسے

تُو مری جان مجھے حیرت و حسرت سے نہ دیکھ
ہم میں کوئی بھی جہاں نور و جہانگیر نہیں
تو مجھے چھوڑ کے، ٹھکرا کے بھی جا سکتی ہے
تیرے ہاتھوں میں مرے ہاتھ ہیں، زنجیر نہیں

جاگیر

پھر اُسی وادیٔ شاداب میں لوٹ آیا ہُوں
جس میں پنہاں مرے خوابوں کی طرب گاہیں ہیں
میرے احباب کے سامانِ تعیّش کے لیے
شوخ سینے ہیں، جواں جسم، حسیں باہیں ہیں

سبز کھیتوں میں یہ دبکی ہُوئی دوشیزائیں
اُن کی شریانوں میں کس کس کا لہو جاری ہے
کس میں جرأت ہے کہ اِس راز کی تشہیر کرے
سب کے لب پر مری ہیبت کا فسوں طاری ہے

ہائے وہ گرم و دِل آویز اُبلتے سینے
جن سے ہم سطوتِ آبا کا صِلہ لیتے ہیں
جانے اِن مرمریں جسموں کو یہ مریل دہقاں
کیسے ان تیرہ گھروندوں میں جنم دیتے ہیں

یہ لہکتے ہوئے پودے، یہ دمکتے ہوئے کھیت
پہلے اجداد کی جاگیر تھے اَب میرے ہیں
یہ چراگاہ، یہ ریوڑ، یہ مویشی، یہ کسان
سب کے سب میرے ہیں، سب میرے ہیں سب میرے ہیں

ان کی محنت بھی مری، حاصلِ محنت بھی مرا
ان کے بازو بھی مرے، قوتِ بازو بھی مری
میں خداوند ہوں اِس وسعتِ بے پایاں کا
مَوجِ عارض بھی مری، نکہتِ گیسو بھی مری

مَیں اُن اجداد کا بیٹا ہوں جنھوں نے پیہم
اجنبی قوم کے سائے کی حمایت کی ہے
غدر کی ساعتِ ناپاک سے لے کر اَب تک
ہر کڑے وقت میں سرکار کی خدمت کی ہے

خاک پر رینگنے والے یہ فسردہ ڈھانچے
ان کی نظریں کبھی تلوار بنی ہیں نہ بنیں
ان کی غیرت پہ ہر اک ہاتھ جھپٹ سکتا ہے
ان کے ابرو کی کمانیں نہ تنی ہیں نہ تنیں

ہائے یہ شام ' یہ جھرنے ' یہ شفق کی لالی
میں ان آسودہ فضاؤں میں ذرا جھوم نہ لوں
وہ دبے پاؤں ادھر کون چلی جاتی ہے
بڑھ کے اس شوخ کے ترشے ہوئے لب چوم نہ لوں

○

فرقت کاکوروی

عبدالحنّان کی محبوبہ کا خط
اپنے عاشق کے نام

آپ کا خط مجھے دو سال کے بعد آج ملا
اُسے ابا سے چھپا کر مجھے بھیا نے دیا
چار بج کر کوئی بائیس کا عمل تھا اُس دم
جس گھڑی ڈاک سے آئے ہیں لفافے کے قدم
خیریت گذری جو ابا نے لفافہ نہ پڑھا
اور سیدھا وہ میرے ہاتھ لگا

ورنہ دُنیا سے گذر جاتے گذرنے والے
آپ کی جان سے دُور آپ پہ مرنیوالے

چھوٹا سا مرے سینے میں مرا دل دھڑکا
میں نے نیفے میں وہ خط آنکھ بچا کر گھڑسا
پھر لپک کر میں بدل آئی بڑا سا کرتا
اس طرح پہلے تو ہیئت کو بنا کر گندی
گھس کے حمام میں اندر سے لگا لی کُنڈی

" زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا "

پیسہ صابن کے لئے پاس نہ تھا
کوئی اپنا بجز افلاس نہ تھا
پاک ہونے کی سمائی تھی جو دُھن
مل لیا جسم پہ دھوبیا صابن
پہلے پنڈے کو ملا
سر کو پھر صاف کیا
اور بالوں کو کھلی سے رگڑا
بور یوں میل چھٹا

میل کٹتا ہے تو ہر گھٹ سے پیام آتے ہیں
"اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں"

لے کے ابا کی بڑی تہمد کو

میں نے ہاتھوں کو رگڑ کر پونچھا
پونچھ کر ہاتھوں کو پھر خط کھولا
لیٹ کر فرش پہ پھر غور سے پرچے کو پڑھا
اور وہیں بیٹھ کے اُکڑوں میں نے
آپ کو اِتنا بڑا خط لکھا

بات کہہ دی مری تحریر کی لمبائی نے
"طول کھینچا ہے یہاں تک شبِ تنہائی نے"
چل دیئے آپ مجھے چھوڑ گئے
اور تقدیر مری پھوڑ گئے
آٹھ دن بعد مری شادی ہے
ہائے تقدیر میں بربادی ہے
خیر سے اُن کے سُنا داڑھی ہے
حد سے داڑھی کے اگر بال گذر جائیں گے
پیٹ کر اپنا شکم آپ یہ فرمائیں گے
یہ بھی اِک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گئی آن کے دامن کے برابر داڑھی

آپ کو سُن کے یہ صدمہ ہوگا
کہ وہ بکرا جو ذرا لنگڑا تھا
آپ نے ہم نے جسے پالا تھا
وہ مرا نازوں کا پالا نہ رہا

وہ مرا چاہنے والا نہ رہا
اس سے زندہ تھیں اُمیدیں اپنی
اس سے وابستہ تھیں عیدیں اپنی

ہم نے اور آپ نے کیا سوچا تھا
کہہ کے افلاس کے شکوؤں کو بھی پیچا تھا

میری جانب سے چڑھاوے میں دیا جائے گا
مُنہ دکھائی میں مری، آپ کے کام آئے گا
کیسا گبرو تھا، جواں سال تھا، البیلا تھا
ناز پروردہ تھا، گودی میں مری کھیلا تھا

"ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں"
دیکھیں اس بکرے سے لاڈے کوئی بڑھ کر بکرا

آپ کی شیر چٹائی کے لئے
میں نے چاول جو اکٹھا کئے تھے
کتنے ارمانوں سے ہم آپ نے کنکر تھے چُنے
لاکھ دو لاکھ سے کیا کم تھے، ہمیں نے تھے گنے
آہ چاول بھی وہ بیکار گئے
کیسی بازی تھی جو ہم ہار گئے

پھانک کر سو گئے تقدیر کے چاول اغیار
اور کسی جاگنے والے سے ہکایا نہ گیا

تار ہم آپ بلا لیں مجھ کو

اور داڑھی سے بچالیں مجھ کو
گر جواب آپ کا آیا نہ کہیں
میں خموشی کو سمجھ لوں گی "نہیں"
چوڑیاں پیس کے پی جاؤں گی
اس طرح مر کے بھی جی جاؤں گی
اور پھر آپ مری قبر پہ جب آئیں گے
بیٹھ کر قبر پہ رو رو کے یہ فرمائیں گے

آئے عشاق گئے دوش پہ مردا لے کر
اب انھیں ڈھونڈ کبھی قبر پہ ڈنڈا لے کر

شاید یہ وی، ایم. ہال ہے

کچھ زرد ہے، کچھ لال ہے
اک سبزہ پامال ہے
اور بیلیوں کی ٹال ہے
کتوں کا بیت المال ہے

شاید یہ وی، ایم ہال ہے
شاید یہ وی، ایم ہال ہے

پھاٹک میں بھی اک آن ہے
امرود کی سی شان ہے

اُوپر سے سبز عنواں ہے
اندر جو توڑو لال ہے
شاید یہ وی' ایم ہال ہے

مچھر یہاں صاحب قراں
مینڈک یہاں نبّاض خاں
کیچڑ یہاں اشکِ بُتاں
کُتّا یہاں قوّال ہے
شاید یہ وی' ایم ہال ہے

مہتر یہاں پر آئے کیوں
تکلیف یہاں فرمائے کیوں
کوڑا یہاں اُٹھوائے کیوں
وہ مہترِ چترال ہے
شاید یہ وی' ایم ہال ہے

گردوں پہ بجلی کی چمک
اور ہال میں کچی سڑک
کچی سڑک پہ یہ مڑک
کیچڑ سے مالا مال ہے
شاید یہ وی' ایم ہال ہے

اِک مذبحِ کون و مکاں
تازہ زمیں فخرِ جہاں

جُمّن کا ہوٹل ہے یہاں
جو بے سُرو بے تال ہے

شاید یہ دی، ایم ہال ہے

بی ایڈ جو کالج ہے یہاں
حُوریں جہاں غلماں جہاں
اُن سب کا میکا ہے وہاں
اُن سب کی یہ سسرال ہے

شاید یہ دی، ایم ہال ہے

ہر چیز میں یاں شاعری
بہشتی یہاں کا فلسفی
دھوبی یہاں حرفِ رَدی
جو ہے وہ سرافیال ہے

شاید یہ دی، ایم ہال ہے

نالی یہاں، نالے یہاں
گوّیے یہاں کالے یہاں
ہر شے کے متوالے یہاں
سچ مچ کا نینی تال ہے

شاید یہ دی، ایم ہال ہے
شاید یہ دی، ایم ہال ہے

○

ٹیکس

عاشق کی آہ و زاری پہ نالوں پہ ٹیکس ہو
سب مہ وشوں پہ ماہ جمالوں پہ ٹیکس ہو
گر زلف تا کمر ہے تو بالوں پہ ٹیکس ہو
ہوں سرخ سرخ گال تو گالوں پہ ٹیکس ہو
ہو قاتلانہ چال، تو پیسے ادا کرو
ورنہ جہاں پڑے ہو وہیں پر پڑے رہو

اپنوں پہ اور پرایوں پہ آئے گئے پہ ٹیکس
ہر ذائقے پہ ٹیکس ہے ہر ہر مزے پہ ٹیکس
پوری، کباب، قورمے اور کوفتے پہ ٹیکس
جینے پہ جیسے ٹیکس ہے مرنے مرے پہ ٹیکس
سکوں پہ جب قبائے چمن ٹانکنے لگے
اہلِ چمن خزاں کی دعا مانگنے لگے

غمزوں کی دل فریبی پہ اور دل لگی پہ ٹیکس
بے مائیگی پہ ٹیکس ہے اور مفلسی پہ ٹیکس
بے چارگی پہ ٹیکس ہے اور بے بسی پہ ٹیکس
ان ٹیکسوں پہ جو ہے اُس کی ہنسی پہ ٹیکس
دولہا دلھن کے پاس جو جائے تو دے رقم
کہتے حسین ٹیکس ہیں اللہ کی قسم

عاشق کا اس زمانے میں وہ پتلا حال ہے
اب مفلسی میں عشق بھی کرنا محال ہے
کوچہ میں اُس کے ٹیکس کا بڑھا سوال ہے
میرے بغیر ٹیکس، یہ کِس کی مجال ہے
مُردہ پڑا رہے گا، نہ دفنایا جائے گا
پروانہ لکھ کے ٹیکس کا جب تک نہ آئے گا

کُتّوں کا مشاعرہ

اِک شب کو ایک نالے پہ میرا گزر ہُوا
کُتّوں کا مُنعقد تھا جہاں اِک مشاعرا
"بُغ" کا جنابِ صدر نے مصرع جو اک دیا
بھوں بھوں کی گٹکری پہ سبھوں نے اُٹھا لیا
وہ بیت شیخ ھیبو کی کُتیا نے جھاڑ دی
چت سامعین ہو گئے محفل اُکھاڑ دی

کُتیاں تھیں نوجوان کئی شاعرات میں
کچھ شاعرِ کرام تھے واں اُن کی گھات میں
بھوں بھوں کی دھوم جبکہ مچی کائنات میں
دو چار اُن کو لے اُڑے چپکے سے رات میں
کچھ تو تلاشِ یار میں دم توڑنے لگے
عشاق اُن کی یاد میں سر پھوڑنے لگے

خارش زدہ سیاہ تھی اِک اُن میں بسیوا
ہر سانس سے نکلتی تھی جس کے ہُوا ہُوا
دیسی زباں میں فِٹ تھا ولایت کا ٹیٹوا
گھگھی بندھی تھی لوگوں کے اوسان تھے خطا

ہیبت سے گھونسلوں میں تھے طائر چھُپے ہوئے
ماؤں کی چھاتیوں سے تھے بچّے لگے ہوئے

اِک چوکیدار پاس سے گذرا جو ناگہاں
دُم کا لنگوٹ باندھ کے کُتّے ہوئے رواں
کوہ و دمن میں گونج گئی ہر طرف فغاں
پیں پیں کے سوز و ساز میں سب رواں دواں

ڈنڈا شقی کا چار طرف گھومنے لگا
جو زد میں آ گیا وہ زمیں چومنے لگا

○

شاعرِ اعظم

کل اِک ادیب و ناقد و شاعر ملے ہمیں
کہنے لگے کہ "آؤ ذرا بحث ہی کریں"
کرنے لگے یہ بحث کہ اب ہند و پاک میں
وہ کون ہے کہ شاعرِ اعظم جسے کہیں
میں نے کہا 'جگر' تو کہا "ڈیڈ ہو چکے"
میں نے کہا کہ 'جوش' کہا 'قدر کھو چکے'
میں نے کہا 'فراق کی عظمت پہ تبصرہ'
بولے 'فراق شاعرِ اعظم؟ ارا ررا!'
میں نے کہا کہ 'ساحر و مجروح و جاں نثار'
بولے کہ 'شاعروں میں نہ کیجے انھیں شمار'
میں نے کہا 'شکیل' تو بولے 'ادب فروش'
میں نے کہا 'قتیل' تو بولے 'فقط خروش'
میں نے کہا 'عدم کے یہاں اِک تلاش ہے'
بولے کہ 'آدمی تو بہت بدمعاش ہے'
میں نے کہا 'ندیم' تو بولے کہ 'بور بور'
میں نے کہا کہ 'فیض' تو بولے کہ 'چور چور'
میں نے کہا 'حفیظ' تو بولے کہ 'کمیونسٹ'
میں نے کہا 'رئیس' تو بولے کہ 'سوشلسٹ'

میں نے کہا کہ 'دل'، تو کہا 'آؤٹ آف ڈیٹ'
میں نے کہا کہ 'نوح'، تو بولے کہ 'تھرڈ ریٹ'

میں نے کہا کہ 'ساغر و آزاد'، بولے 'نو'
میں نے کہا کہ 'عرش'، کہا 'پورا نام لو'

میں نے کہا 'نیاز'، تو بولے کہ 'عیب ہیں'
میں نے کہا 'سرور'، تو بولے کہ 'نکتہ چیں'

میں نے کہا 'ظریف'، تو بولے کہ 'گندگی'
میں نے کہا 'سلام'، تو بولے کہ 'بندگی'

میں نے کہا 'کلامِ روشؔ لاجواب ہے'
کہنے لگے کہ 'اُن کا ترنم خراب ہے'

میں نے کہا 'قمرؔ کا ہر اک شعر ہے حسیں'
کہنے لگے کہ 'اُن میں تو کچھ جان ہی نہیں'

میں نے کہا 'خمار'، کہا 'فن میں کچا ہے'
میں نے کہا کہ 'شاد'، تو بولے کہ 'بچہ ہے'

میں نے کہا کہ 'فرقت و شہباز و عارفی'
بولے 'یہ لوگ شاعرِ اعظم؟ ہٹاؤ بھی'

میں نے کہا کہ "یہ جو دلاور فگار ہیں'
بولے کہ 'وہ تو طنز و ظرافت نگار ہیں'

میں نے کہا کہ 'طنز میں اک بات بھی تو ہے'
بولے کہ 'اس کے ساتھ خرافات بھی تو ہے'

میں نے کہا، تو کس کو میں شاعر بڑا کہوں؟
کہنے لگے کہ مجھ کو بھی حیرت ہے کیا کہوں؟

پایانِ کار ختم ہوا جب یہ تجزیہ
میں نے کہا حضور؟ تو بولے کہ شکریہ

○

شہباز امروہوی

چھلکا اور چپاتی

اِک روز کہیں مل گیا جو گوشۂ خلوت
اس طور سے کہنے لگی چھلکے سے چپاتی
اے دوست اگر سمجھے نہ تو اس کو شکایت
اک تلخ حقیقت ہوں تجھے آج سناتی
یکساں ہی ہے ہم دونوں کا دنیا میں قبیلہ
یکساں ہی ہے سنسار میں ہم دونوں کی جاتی
یکساں ہی عناصر سے ہے ہم دونوں کی ترتیب
یکساں ہی کبھی دیکھتے تھے ہم رنج نباتی
یکساں ہی وٹامن سے ہے ہم دونوں کا رشتہ
یکساں ہی پروٹین ہیں ہم دونوں کے ناتی
یکساں ہی ہے ہم دونوں کی تخلیق کا مقصد
یکساں ہی عطا ہم کو ہوئے جوہرِ ذاتی

یکساں ہی صناعت کا ہے ہم دونوں میں جلوہ
یکساں ہی ریاضت ہمیں دلکش ہے بناتی

مہرانی اگر بیلتی ہے پھلکے پہ تجھکو
ماما مری مجھ کو بھی توے پہ ہے چڑھاتی

پرتو ترا پڑتا ہے اگر تھالی کے اندر
میں بھی سرِ سفرا ہوں جھلک اپنی دکھاتی

گر تجھ کو اڑاتے ہیں نثری لالہ جیا رام
مجھ کو بھی چباتے ہیں میاں شیخ وفاتی

جب اصل میں اور نسل میں ہم ایک ہیں دونوں
پھر میری سمجھ میں یہ پہیلی نہیں آتی

صورت سے مری کرتا ہے تو کس لیے نفرت
صحبت مری کس واسطے تجھ کو نہیں بھاتی

پھلکے نے کہا سن کے چپاتی کی یہ فریاد
بس بس کہ پھٹی جاتی ہے غم سے مری چھاتی

ہر چند گلہ تیرا درست اور بجا ہے
لیکن ترے قربان میں اے میری چپاتی

للہ یہ الزام نہ رکھ تو میرے سر پر
واللہ خطا اس میں نہیں کچھ مری ذاتی

یہ اہلِ سیاست کی سیاست ہے مری جاں
آپس میں تجھے اور مجھے جو ہے لڑاتی!

ڈھاتے ہیں زمانے پہ قیامت جو یہ سفّاک
مجھ سے تو کبھی اس کی سنائی نہیں جاتی

کہنے کے لئے اُن کے مظالم کا فسانہ
پتھر کا جگر چاہیئے فولاد کی چھاتی

انسان کو انسان سے کس وقت لڑائیں
ہر وقت اِسی گھات میں رہتے ہیں یہ گھاتی

رکھتے ہیں چھڑی جادو کی ایسی یہ مداری
انسان کو تگنی کا ہے جو ناچ نچاتی

ہے سب یہ اسی قوم کے کرتب کا کرشمہ
اک جنگِ مسلسل ہے جو ہر سُو نظر آتی

کرتا ہے کہیں شیخ برہمن کی اہانت
رکھتا ہے عداوت کہیں لاتی سے مناتی

دُشنام کہیں دیتا ہے صحرائی کو کوہی
بدنام کہیں کرتا ہے شہری کو دیہاتی

بدو نظر آتا ہے کہیں بھیل کا دشمن
بمتی کے لہُو کا کہیں پیاسا ہے فراتی

یلغار کہیں کرتا ہے جاپانی پہ رُوسی
ادبار کہیں لاتا ہے سندھی پہ ہراتی

برماتا ہے سرمایہ کہیں سینۂ محنت
دہلاتی ہے محنت کہیں سرمایہ کی چھاتی

اِنسان کہیں کاٹتا ہے گائے کی گردن
گائے کہیں انسان کی گردن ہے کٹاتی
بن جاتی ہے دیوالی کہیں خوُن کی ہولی
ہے عید محرّم کا کہیں سوگ مناتی
ہوتے ہیں نمازی کہیں ارتھی کے مزاحم
باجہ کہیں مسجد پہ بجاتے ہیں براتی
تفریق کا باعث کہیں پیپل کہیں گولر
تقسیم کا مُوجب کہیں بولی کہیں جاتی
القصّہ زمانے میں یہ نیتاؤں کی ٹولی
نیتائی کے اپنی وہ کرشمے ہے دکھاتی
اخلاق بھی ہوتا ہے جنہیں دیکھ کے محجوب
تہذیب بھی ہے شرم سے مُنہ اپنا چھُپاتی
مجھ کو تو نظر آتے ہیں جب اُن کے یہ کرتوت
میری تو زباں پہ یہی فریاد ہے آتی
جن لوگوں نے ہم دونوں میں ڈالی ہے یہ تفریق
جن لوگوں کو ہم دونوں کی صحبت نہیں بھاتی
بھگوان رکھے اُن کو نہ اِس دُنیا میں آزاد
اللہ کرے اُن کو نہ عقبیٰ میں نجاتی
کہہ کر یہ سخن پھول گیا جوش میں پھلکا
سُن کر یہ بیاں سُوکھ گئی غم سے چپاتی

دیکھا جو مجھ کو کورٹ میں کہنے لگے کلرک
یارو شکار آیا ہے اس کو کھسوٹ لو
جمشید جی یہ بولے کہ موٹا ہے یہ کسان
رشوت میں اس سے بڑھیا سی بیلوں کی جوٹ لو
فرمایا جیکسن نے کہ جھنجھٹ میں مت پڑو
سیدھی سی بات یہ ہے کہ سو سو کے نوٹ لو
بولے یہ شیر سنگھ کہ بزدل ہیں آپ لوگ
میری تو رائے یہ ہے کفن بھی کھسوٹ لو
جمن نے کانپ کر کہا یارو کرو نہ شور
جو کچھ بھی اس سے لینا ہے پردے کی اوٹ لو
نتھو کڑک کے بولے کہ ڈر کی ہے بات کیا
اپنا ہی اب تو راج ہے ڈنکے کی چوٹ لو

○

یادِ ایام، کہ ہر بھٹی پہ بکتی تھی شراب
اور ہم پیتے تھے یارانِ مے آشام کے ساتھ
اب تو یہ حال ہے شہباز کہ مدت میں کہیں
کسی دعوت ہی میں مل جاتی ہے حکام کے ساتھ

○

میری تنخواہ تو اتنی بھی نہیں ہے شہباز
ساگ بھی مجھ کو میسر ہو جو جولائی سکا

پھر بھی ہر روز اُڑاتا ہوں جو میں دودھ دہی
ہے یہ سب فیض مری آمدِ بالائی کا

○

سائنسداں اُڑا کے جہازوں کو چند میل
مغرور کیا ہیں ڈہر ہیں برق اور بھاپ پہ
دیکھیں ہمارے صوفیٔ عالی مقام کو
عرشِ بریں تک اُڑتے ہیں ڈھولک کی تھاپ پر

○

چلے تو ہیں جنابِ شیخ میدانِ ترقی میں
مگر حضرت کہیں اِس راہ میں حد سے نہ بڑھ جائیں
سنیما ہال کی سیڑھی پہ پائے ارتقا رکھ کر
مجھے یہ خوف ہے بامِ ثریا پر نہ چڑھ جائیں

○

آتے ہی فصلِ سرما ہر سمت عورتوں نے
سب بند کر دیے ہیں دُنیا کے کام دھندے
بُنتی ہے ایک سوئیٹر، سیتی ہے اِک رضائی
یہ ڈالتی ہے ڈورے، وُہ ڈالتی ہے پھندے

○

راجہ مہدی علی خاں

"اُس سے اور اُسی سے"

(۱)

زمیں کے چاند ترا حُسن آسمانی ہے
ہر ایک جلوہ ترا اک نئی کہانی ہے
زہے نصیب کہ تُو ہو مری شریکِ حیات
ہو تیرے جلووں سے رخشندہ زندگی کی رات
ہے میرے اُجڑے ہوئے گھر کو انتظار ترا
تُو لے بہار اُسے آ کے رشکِ خلد بنا
گھر آؤں گا جو سرِ شام ہو کے میں بے حال
نہال دل کو کریں گے یہ تیرے پھول سے گال
گلے میں ہوں گے ترے ہار میری باہوں کے
چمک اُٹھیں گے ستارے تری نگاہوں کے
کرے گی زندہ مجھے تیری دل نشیں گفتار
مرے چمن میں ہمیشہ رہے گا حُسنِ بہار
کھلے گی دل کی کلی رُوح شادماں ہو گی
بہشت ہو گی اُسی گھر میں تُو جہاں ہو گی
قدم نماد فردا آ کہ خانہ خانۂ تست

(۳)

خدا کے واسطے کھولو بھی آ کے دروازہ
میں کتنی دیر سے باہر کھڑا ہوں چیخ رہا
اگر علیل نہ ہو آپ کا مزاج شریف
تو پنکھا جھلیئے ذرا اُٹھ کے کیجئے تکلیف
یہ چارپائی مری ٹیڑھی کیوں بچھائی ہے
بھلا اکنی یہ کیوں فرش پر گرائی ہے
الٰہی کون یہ پانی کا دے گا اتنا بل
خدا کے واسطے کر نل کو بند اے جاہل
چپاتیاں میرے اللہ سب کی سب کچی
تمام عمر ہی شاید رہو گی تم بچی
بس اُٹھ بھی اب کوئی ایسا بُرا تو حال نہیں
یہ مجھ غریب کا گھر ہے یہ ہسپتال نہیں
دبا دے پیر مرے اُٹھ کے، اُٹھ بھی اُٹھ او سست

○

"ایک جہلم پر"

بہت خوبصورت، بہت نیک تھا وہ
ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
کسی سے بھی رکھی نہ اُس نے عداوت
کہ پیشہ تھا اُس نوجواں کا شرافت

ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا
خدا اس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
نہ رو رو کے بے حال ہوجائے دُلہن تو
نہ کر اس قدر آہ رنج دمحن تو!
وہ جنت میں خوشیاں منائیگا مت رو
وہ حوروں سے اب دل لگائے گا مت رو
وہ آخر ہمیں بھی تو تھا جاں سے پیارا
مگر جی لیا ہم نے دل کو سہارا
نہ کر بین اتنے، نہ رو اتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری
رضیہ ذرا گرم چاول تو لانا
ذکیہ ذرا ٹھنڈا پانی تو لانا
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ
ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
منگانا ذرا شوربا اور خالہ
بڑھانا ادھر کو ذرا یہ پیالہ
ہمارے محلے میں وہ جب بھی آتا
خدا اس کو بخشے ہمیں مل کے جاتا
پڑا ہے پلاؤ میں گھی ڈالڈے کا
خدا تو ہی حافظ ہے میرے گلے کا

دُلہن سے کہو آہ اِتنا نہ روئے
بچاری نہ بیکار میں جان کھوئے

اری بوٹیاں تین سالن میں تیرے
یہ چھچھڑا لکھا تھا مقدر میں میرے

دُلہن گھر میں چُورن اگر ہو تو لانا
نہیں تو ذرا کھاری بوتل منگانا

نہ کر بَین اِتنے نہ رو اِتنا پیاری
ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری!

○

مہاجر کے معنی

مہاجر کا بڑا درجہ ہے اسلامی کتابوں میں
مہاجر فاتحینِ نفسِ امّارہ کو کہتے ہیں
مگر اس لفظ کے کچھ اور معنی ہیں کراچی میں
غریب و خانماں برباد و آوارہ کو کہتے ہیں

ہمارے حکّام

اپنے حکام کو اے قوم حقارت سے نہ دیکھ
گو یہ ناکارہ بھی ہیں بانیٔ بیداد بھی ہیں
تجھ کو ان عرش نشینوں کا ادب لازم ہے
اِن میں فرعون بھی، نمرود بھی، شدّاد بھی ہیں

بندگی

کل اِک مہاجرِ ہندی یہاں سے گھبرا کر
چلے کہ تھے انھیں صدمات واقعی پہنچے
قدم جہاز پہ رکھتے ہی وہ یہ چلّائے
"حضورِ قائدِ اعظم کو بندگی پہنچے

غیر ملکی

صرصرِ غم سے دِل ہُوا تاراج
آندھیوں نے یہ شمع گُل کی ہے
جس نے بخشی تھی زندگی ہم کو
اَب وہی خاک غیر ملکی ہے

اِنقلابْ

راس آیا خوش نصیب افراد کو وُہ انقلابْ
عقل ہو جاتی ہے مختل جس کی یاد آنے کے بعد
لُٹ گئے گو سیکڑوں افراد، پر یہ بھی تو ہے
بن گئے کچھ لوگ پاکستان بن جانے کے بعد

ترمیم

تھا کسی دوست کا معمُول یہ رمضان سے قبل
یادِ حق کرتے تھے ہر شام کی تفریح کے بعد
روِش اِس ماہ میں تبدیل ہوئی ہے اِتنی
سَینما جاتے ہیں افطار و تراویح کے بعد

نمائشِ گاہ

دنگ ہیں اہلِ نظر قومی نمائش دیکھ کر
واہ وا کیا شانِ مصنوعاتِ پاکستان ہے
اِک بڑی بی نے مگر کیا برمحل تنقید کی
"یہ نمائش گاہِ مستوراتِ پاکستان ہے"

فلم۔شاعر۔ریڈیو

شعر و شاعر ان کو فلم اور ریڈیو سے کیا غرض؟
کم سے کم ہم نے تو اس میداں میں ہمت ہار دی
شاعری کا فلم والوں نے کیا گر قتلِ عام
شاعروں کی ریڈیو والوں نے گردن مار دی

دُولھا بھائی

کراچی میں بہت سے لوگ اِس دعوے پہ جیتے ہیں
کہ اربابِ حکومت سے ہماری آشنائی ہے
فلاں ڈپٹی کمشنر کے ہم اکلوتے جنوائی ہیں
فلاں سکریٹری رشتے میں اپنا دُولھا بھائی ہے

تخلیق

مستعد بیگم مصنف ایک بچے کی بنیں
اک مقالہ ہم نے لکھ مارا بڑی تحقیق سے
بولیں نومولود کو دے کر مری آغوش میں
"آپ کی تخلیق گھٹیا ہے مری تخلیق سے"

نصیحت

کل ایک افسر دیندار نے کہا مجھ سے
کہ حوصلے ہیں اگر حج کے اور زیارت کے
تو لے کے خیر سگالی کا وفد سوئے حجاز
خدا کے گھر کو چلو خرچ پر حکومت کے

گندم

گیہوں ملتا ہی نہیں خلدِ کراچی میں کہیں
انتقام آج بھی آدم سے لیا جاتا ہے
قحطِ گندم کا یہ عالم ہے کراچی میں رئیس
گندمی رنگ پہ ہر شخص مرا جاتا ہے

میراث

کون کہتا ہے کہ پاکستان کی ارضِ جمیل
درحقیقت ملّتِ آزاد کی میراث ہے
ساتھیو! یہ قوم چند اشخاص پر ہے مشتمل
دوستو! یہ مُلک چند افراد کی میراث ہے

نتیجہ

جب تک کہ نہ ہوں میں کسی ذی جاہ کا فرزند
جب تک کہ نہ ہوں میں کسی حاکم کا بھتیجہ
اے شخص! مری ہمت و ایثار سے حاصل؟
اے دوست! مرے علم و لیاقت کا نتیجہ؟

اولیاء

گر یہی حکّامِ راشن کی عنایت ہے رئیس
محوِ حیرت ہوں کہ ہم سب کیا سے کیا ہو جائیں گے
ترکِ گندم، ترکِ جَو، ترکِ شکر، ترکِ برنج
شہر والے رفتہ رفتہ اولیاء ہو جائیں گے

تم بتاؤ

ہم نے اِس ارضِ پاک کی خاطر
ساری دُنیا کو تج دیا گویا
تم کو عشقِ وطن کے دعوے ہیں
تم بتاؤ، کہ تم نے کیا کھویا؟

حرام

مے کسی رنگ میں حلال نہیں
بخدا اے فقیہہ خوں آشام!
لیکن اِک بات پُوچھنا ہے مجھے
خونِ آدم حلال ہے کہ حرام؟

ٹریفک بند

ہے جو بازار میں ٹریفک بند
سبب اس کا نہ جانے کیا ہوگا
یا تو ایچ، ایم کی آمد آمد ہے
یا کوئی اونٹ گم گیا ہوگا

غنڈے

کراچی میں غنڈوں کی قسمیں نئی ہیں
اصولی، فروعی، قدیمی، رواجی
پرانے، نئے، مستقل، خام، پختہ
گروہی، معاشی، سیاسی، سماجی

بلیک مارکٹ

کسی سیٹھ کی نصیحت یہ گرہ میں باندھ زاہد
"جو نگاہِ وقت کج ہے تو بلیک مارکٹ کر
نہ دیانتِ عمل سے کبھی راہِ حق ملے گی
اگر آرزوئے حج ہے تو بلیک مارکٹ کر"

نذرِ عقیدت

اہلِ معاملہ سے جو لیتے ہیں اہلِ کار
رشوت نہیں وہ نذرِ عقیدت کا مال ہے
فتویٰ ہے مفتیانِ دفاتر کا اِس لئے
رشوت حرام، نذرِ عقیدت حلال ہے

ننگو!

اے کراچی کے اَن گنت ننگو
تم نے سردی میں کیا کیا ہو گا
ہم تو سرگرمِ نائے و نوش رہے
تم نے خونِ جگر پیا ہو گا

بول پپیہے

پاکستانی نغمے کیا ہیں ڈھول کا گویا پول
امریکہ کے نغمے کتنے نازک اور انمول
ڈالر کی زر پاش فضا میں اپنے بازو کھول
گیہوں گیہوں بول پپیہے گیہوں گیہوں بول

شُہدہ

خدایا کیا مصیبت ہے یہ کُرسی
الٰہی کیا قیامت ہے یہ عُہدہ
سِکھاتا ہے شریف انساں کو سازش
بناتا ہے بھلے مانس کو شُہدہ

رو

عزیزانِ وطن کے حال پر نہیں
وطن کی اجتماعی شان کو رو
فقط اردو کے ماتم سے نتیجہ
جو رونا ہے تو پاکستان کو رو

روٹی

اس شہر میں اِک غریب عورت
عصمت کے عوض نہ پائے روٹی
اِنساں کی یہ قدر؟ ہائے اللہ!
روٹی کا یہ مول؟ ہائے روٹی

اِنھیں سڑکوں پر

میں نے دیکھے ہیں کراچی میں انوکھے منظر
ہر روش اِس چمنستاں کی ہے فردوس نظر
مگر افسوس کہ پھرتے ہیں ہزاروں مفلس
اِنھیں سڑکوں پہ مرے دوست! اِنھیں سڑکوں پر

کہہ مکرنی

ہارے دم کچھ اُکھڑا اُکھڑا
جاگ کے سوئے دیس کا دُکھڑا
دامن گیلا، آنکھیں بھیگی
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی لیگی

گروی

خشک روٹی وہ بلا ہے کہ بشر جس کیلئے
رہن دُنیا ہی نہیں دولتِ دیں بھی رکھ دے
دل کو معدے سے گراں قدر سمجھنے والے
قیس بھوکا ہو تو لیلیٰ کو بھی گروی رکھ دے

نام و نشاں

آپ کا اِسمِ گرامی؟ "میر واعظ وعظ گو"
آپ کا مقصد؟ "فقط تحریفِ دین و اعتقاد"
آپ کا مسکن؟ "مساجد" آپ کی منزل؟ "بہشت"
آپ کا عہدہ؟ "مبلغ" آپ کا پیشہ "فساد"

مجید لاہوری

منکہ ایک منسٹر ہوں

مرغیوں پر بھی میں کر سکتا ہوں اظہارِ خیال
اور سانڈوں پر بھی ہوں محفل میں سرگرمِ مقال
ریس کے گھوڑوں پہ بھی تقریر کر سکتا ہوں میں
اکبر و اقبال کی تفسیر کر سکتا ہوں میں
ہومیو پیتھی ہو، یا دندان سازی کا کمال
باغبانی ہو کہ ہو رومی و رازی کا کمال
بات پھولوں کی ہو، یا قومی ترانے کا بیاں
چاٹ ہے بارہ مسالے کی کہ ہو اردو زباں
بو علی سینا کی حکمت بات افلاطون کی
ایگری کلچر ہو، یا شق ہو کوئی قانون کی
داغ کا دیوان ہو یا ہو وہ ایٹم بم کا راز
ماہی گیری ہو کہ ربط و ضبطِ محمود و ایاز
مسئلہ تاریخ کا ہو یا ہو مبحث علم کا
فلسفہ گلقند کا ہو یا ہو قصہ فلم کا
کشتۂ فولاد ہو، یا شربتِ دینار ہو
ہے ضروری سب پہ میری رائے کا اظہار ہو
"مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا"
شوق ہے دل میں مگر قرآن کی تفسیر کا

جتنے بھی شعبے ہیں اُن سب پر ہُوں میں چھایا ہُوا
ہوں منسٹر مستند ہے میرا فرمایا ہوا

"گداگری بند ہو گئی مگر....."

مجھ کو داتا دلا! ہو گا تیرا بھلا! مجھ کو داتا دلا
اے پلاٹوں کے مالک تری خیر ہو
اے اِلاٹوں کے مالک تری خیر ہو
کوئی کوٹھی دِلا، کوئی بنگلا دِلا!
چھاپہ خانہ دِلا، کارخانہ دِلا!
پمپ پٹرول کا، یا سینما دِلا!
بس نہیں کوئی تو بس کا اڈہ دِلا!
قوم کے نام پر مجھ کو داتا دِلا
ہو گا تیرا بھلا

بامِ گردوں پہ تیرا ستارہ رہے
زندگی میری کیوں بے سہارا رہے
میرے کشکول میں لیڈری ڈال دے
کر عنایت مرحمت ممبری ڈال دے
کوئی مِل، یا جننگ فیکٹری ڈال دے
کوئی ہوٹل، کوئی کمپنی ڈال دے

قوم کے نام پہ مجھ کو داتا دِلا
ہو گا تیرا بھلا

عالمِ رنگ و بُو میں تو پھولے پھلے
نام کا تیرے دُنیا میں سکّہ چلے
یا قیادت دِلا، یا صدارت دِلا
یا وزارت دِلا، یا سفارت دِلا!
گنج بخشا! تو گنجِ سعادت دلا!
اپنے خادم کو تو بہرِ خدمت دلا!
قوم کے نام پہ مجھ کو داتا دِلا
ہو گا تیرا بھلا

تجھ کو شاد اور آباد رکھے خدا
خوب چشمہ ہو جاری ترے فیض کا
کوئی پرمٹ ملے، کوئی ٹھیکہ ملے
کوئی امپورٹ لائسنس اچھا ملے
جاہ کی بھیک، عہدے کا صدقہ ملے
کچھ تو مالِ غنیمت کا حصّہ ملے
قوم کے نام پہ مجھ کو داتا دِلا
ہو گا تیرا بھلا

متفرق اشعار

نوٹ ہاتھوں میں وہ رشوت کے لئے پھرتے ہیں
"کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے"

معرکہ "چاؤ" ہے ووٹوں کی طلبگاری کا
"امتحاں ہے ترے ایثار کی خود داری کا"

"بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے"
اور پھر اس میں مہاجر کو بسایا چاہیئے

سو پشت سے ہے پیشۂ آباء "گداگری"
کچھ "لیڈری" ذریعۂ عزت نہیں مجھے

تمام شد

(رجوع المطابع برقی پریس دہلی)

جنتا

اردو شاعری میں مزاح سے زیادہ طنز موجود ہے،
ویسے تو طنزیہ شعرا میں تقریباً سبھی شاعر آسکتے ہیں مگر
ایسے معدودے چند ہیں جنھوں نے طنز یا مزاح کو یا طنز اور
مزاح دونوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہو۔ اس
مجموعہ میں مزاحیہ غزلوں اور نظموں کا انتخاب کیا گیا ہے اور
خالصتاً مزاح گو شعراء کے علاوہ اُن کو بھی شامل کیا گیا ہے
جنھوں نے بعض نظمیں طنزیہ لکھی ہیں۔

rekhta.com